ایصال ثواب کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق وتدوین :

محمد علی قادری، محمد تاج الدین کالامی، محمد فاروق رانا (منہاجینز)

منہاج القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	ایصال ثواب کی شرعی حیثیت
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	محمد تاج الدین کلامی (منہاجین)
پروف ریڈنگ	:	محمد علی قادری (منہاجین)
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل تا ششم	:	6600
اِشاعتِ ہفتم	:	نومبر 2003ء (1100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اگست 2004ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	مارچ 2005ء (1,100)
اِشاعتِ دہم	:	ستمبر 2006ء (1,100)
اِشاعتِ یازدہم	:	مارچ 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر پیپر	:	-/70 روپے

ISBN# 969-32-0638-X

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / وڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلیکیشنز)

fmri@research.com.pk

مَولَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهٗ

ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیبًا بَارِئُ النَّسَمِ

﴿صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۰-۹۷-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

پیش لفظ

اسلام میں ایصالِ ثواب کا تصور مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ جمہوری اہل اسلام کا اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ زندوں کے نیک عمل کا اجر ان کے مرحومین کو بھی ملتا ہے کیونکہ نیکی ایسا عمل ہے جو ضائع نہیں جاتا۔ اس کی برکات و فیوضات کا دائرہ صرف فرد واحد تک ہی محدود نہیں بلکہ دوسرے بھی نیکی کے حصار رحمت میں امن، سکون اور عافیت کی دولت سے نوازے جاتے ہیں نیز نیکی اور عمل خیر کے اثرات زمان و مکان اور موت و حیات کے دائروں میں مقید نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی ساری کامیابیاں اسی کے حصار اماں میں سمٹی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمانوں کے ہاں میت کے ایصال ثواب کے لئے جو خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے کبھی تلاوت و ذکر کی محفل کی صورت میں اور کبھی مالی صدقہ و خیرات کی صورت میں اس کا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں اور رشتہ داروں کے ساتھ درگزر فرمائے اگر تو وہ خود نیک اور صالح تھے تو اس اہتمام سے انہیں درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے اور اگر گنہگار رہوں تو اس سبب سے اللہ تعالی ان کی بخشش و مغفرت فرماتا ہے۔ یہ بالکل سیدھی سادی سی بات تھی جو ہر دور میں اسلامی معاشرے کا معمول رہی۔ لیکن برا ہو نظری اختلافات کا کہ اس نے ایسے غیر متنازع اور نفع بخش امور کو بھی متنازعہ اور مختلف فیہ بنادیا ہے۔

ہمارے ہاں جن فروعی معاملات میں جھگڑے تصادم اور مناقشات ہوتے رہتے ہیں ان میں ''ایصال ثواب'' کی مختلف صورتیں بھی ہیں۔ آئے روز جنازوں کی دعاؤں، قل اور ''چہلم'' وغیرہ کے موضوعات زیر بحث رہتے ہیں۔ ان غیر ضروری تنازعات نے ملکی سرحدیں پھلانگ کر یورپ اور افریقہ و امریکہ کے اسلامی مراکز کو بھی براہ راست متاثر کیا ہے۔ لوگ ایمان

اور کفر کا مسئلہ بنا کر ان مسائل میں الجھتے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں فروعی معاملات میں کھپا کر مقصود اصلی سے لاتعلق رہتے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ نے ''ایصال ثواب کی شرعی حیثیت'' کو خطبات جمعہ کا موضوع بنایا اور حسبِ معمول اپنے حکیمانہ اسلوب میں اسے اعتدال وتوازن کا حسین سانچہ عطا کر دیا۔ زیر نظر کتاب انہی خطبات کا مرتب مجموعہ ہے جس کی ترتیب وتدوین کی سعادت میرے حصہ میں آئی میں نے حسب استطاعت آسان اور عام فہم اسلوب میں عبارت کا نظم وربط برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا فیصلہ قارئین مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازتے ہوئے کریں گے۔

محمد تاج الدین کالامی

ریسرچ سکالر

ڈاکٹر فریدالدینؒ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

نفسِ مسئلہ سے متعلق بنیادی تصورات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا لایا ہوا وہ دین مبین ہے جس میں دنیوی و اخروی سعادتیں انسان کے لئے ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔ ان سعادتوں میں نیکی وہ بنیادی تصور ہے جس کے وسیع دائرے میں صبح و شام کے ہزاروں اعمال داخل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے آخرت میں انجام کا دارومدار انہی اعمال پر رکھا ہے۔ یہ اعمال جس طرح خود انسان کے اپنے کام آتے ہیں اسی طرح یہ دوسروں کی بخشش و مغفرت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ایصال ثواب کی اصطلاح ہر دور میں معروف رہی ہے۔

۱۔ ایصالِ ثواب کا مفہوم

ایصال ثواب سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی عمل صالح کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے۔ جمہور مسلمانوں کے نزدیک کسی انسان کا اپنے کسی نیک عمل کا ثواب زندہ یا مردہ کو پہنچانا درست اور جائز عمل ہے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا تلاوت قرآن یا ذکر یا طواف یا حج وعمرہ یا اس کے علاوہ کوئی بھی نیک عمل۔ فقہ حنفی کے مشہور امام علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند اهل السنة والجماعة صلوة كان او صوماً او حجاً اور صدقةً أو قراة للقرآن أوالاذكار او

اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی انسان اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو پہنچائے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ و خیرات ہو یا تلاوت قرآن۔ یا ذکر یا اس کے

غیر ذالک من انواع البر و یصل ذلک الی المیت وینفعه
(حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۷۶)

علاوہ نیک اعمال میں سے کوئی بھی عمل ہو۔ اور ان اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے فائدہ بھی دیتا ہے۔

لہذا شریعتِ اسلامیہ میں یہ طے شدہ امر ہے کہ ایک شخص کی دعا اور نیک عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے' ایک کی نیکی سے دوسرے کو برکت ملتی ہے' ایک کی شفاعت سے دوسرے کی بخشش ہوتی ہے اور ایک کی کوشش سے دوسرے کو درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْمِنْ م بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَان.
(الحشر، ۵۹:۱۰)

اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

باری تعالیٰ نہ صرف ہماری ہی بخشش فرما بلکہ جو ایمان لانے والے ہم سے پہلے گزر گئے ان کی بھی بخشش فرما۔ اس طرح وہ اپنی بخشش بھی مانگتے ہیں اور اپنے اگلوں کی بخشش کی بھی دعا کرتے ہیں فرمان رسول ﷺ شاہد ہے کہ:

امتی امة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها و تخرج من قبورها لاذنوب علیها تمحص عنها باستغفار المومنین لها۔
(شرح الصدور: ۱۲۸)

میری امت امت مرحومہ (جس پر بے پایاں رحم کیا گیا ہے) کے لوگ اپنی قبروں میں اپنے گناہوں کے ساتھ داخل ہوں گے اور جب قبروں سے

نکلیں گے تو ایک گناہ کا بوجھ بھی ان
پر نہ ہو گا یہ اس وجہ سے ان کے بعد
دنیا میں زندہ مومنین ان کے لئے
دعائے استغفار کرتے رہیں گے۔

دعائے مغفرت سےجو بخشش کے محتاج ہوتے ہیں ان کی بخشش کی جاتی ہے۔
رہی یہ بات کہ جو بخشے جاچکے ہوتے ہیں ان کے حق میں دعائے مغفرت کا معنی کیا ہے؟ تو ان کے حق میں دعائے مغفرت کا معنی یہ ہے کہ ان کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ یہ بالکل وہی فلسفہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ معصوم عن الخطاء ہوکر بھی دن میں ۱۰۰ مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ گناہوں سے پاک ہوکر بھی گناہوں کی بخشش مانگتے تھے۔ حضور ﷺ کے گناہوں کی بخشش کا سوال نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی رحمت کا اپنا تو یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ کے سبب سے تو اگلے بھی بخشے گئے اور پچھلے بھی بخشے گئے۔ قرآن کہتا ہے۔

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ۔
تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔
(الفتح، ۴۸:۲)

رسول اللہ ﷺ کا اس کے باوجود اپنے لئے بخشش کی دعا مانگنا رفع درجات کے لئے تھا۔ بالکل اسی طرح جسے متقین، صالحین برگزیدہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء انتقال کرجاتے ہیں وہ تو خود بخشے جاچکے ہیں ان کے لئے بخشش کی دعا کرنا اور ایصال ثواب کا اہتمام کرنا بلندیٔ درجات کے لئے ہوتا ہے اور درجات کی بلندی کی تو کوئی حد نہیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کو اگر قرب الٰہی کے بلند درجات نصیب ہیں تو

ہمارے صدقہ وخیرات سے ان کا ایک درجہ مزید اونچا ہو جائے گا۔ ایصال ثواب کے اس عمل کے جواب میں وہ ہمارے لئے نیک دعاوں کا تحفہ لوٹائیں گے۔

۲۔ دنیا اور آخرت میں تحفوں کا تبادلہ

قرآن کا یہ قاعدہ ہے کہ جب تم کسی کو سلام کا جواب دو تو کم از کم اسے اُسی شان سے لوٹایا کرو اور بہتر یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے سے لوٹایا کرو۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کو فرمایا گیا۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ط۔ (النساء، ۸۶:۴)

اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعہ تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹایا کرو۔

اسی لئے اگر کوئی کسی کو السلام علیکم کہے تو اسے جواب میں وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته کہنا چاہئے یعنی اگر کوئی سلامتی کا تحفہ دے تو سلامتی کے ساتھ برکت اور رحمت کا تحفہ دیا کرو۔ لہذا جب ہم اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندوں، انبیاء، اولیاء اور صلحاء کی بلندی درجات کے لئے قرآن خوانی، صدقہ و خیرات، دعا اور نیک اعمال کے ثواب کا تحفہ بھیجیں گے تو وہ اس کے جواب میں قرآن کے اس حکم کے مطابق بہتر تحفہ ہماری طرف کیوں نہیں لوٹائیں گے؟ جبکہ وہ اتنے سخی ہیں کہ بغیر تحفوں کے بھی ہمارے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص حضرت داتا گنج بخشؒ کے لئے قرآن خوانی، صدقہ وخیرات اور نیکی اور

تقوی کے ثواب کا تحفہ پیش کرتا ہے تو مزار پر انوار میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے دست اقدس اٹھ جاتے ہیں کہ باری تعالیٰ ! تیرے بندے نے میرے لئے بلندی درجات کا یہ تحفہ دیا ہے تو میری طرف سے اسے بخشش کا تحفہ عطا فرما۔ رسول پاک ﷺ کی شفاعت کا تحفہ عطا فرما ۔ اپنے قرب کا تحفہ عطا فرما۔ یہ تحفوں کا باہمی تبادلہ جس طرح دنیا میں چلتا ہے اسی طرح آخرت میں بھی جاری رہتا ہے۔

۳۔ امت کی بخشش کے لئے نظام شفاعت

ا۔ شفاعت کبریٰ

حضور نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا منصب جلیلہ عطا فرمایا جبکہ دیگر انبیاء کرام، اولیاء عظام اور صالحین مؤمنین کو شفاعت صغریٰ کی نعمت دیکر پوری امت کے لئے شفاعت کا ایک پورا نظام عطا کیا۔ ایک حدیث صحیح میں حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اللہ پاک نے فرشتے کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ محبوب ﷺ میں دو چیزیں تجھے عطا کرتا ہوں ان دو چیزوں میں سے جو چاہے تو لے لے۔ محبوب ﷺ تو اگر چاہے تو تیری آدھی امت کو بغیر حساب کتاب کے بخش دیا جائے اور اگر چاہے تو تجھے شفاعت کا حق دے دیں کہ جس جس کی تو شفاعت کرے اسے میں بخشتا جاؤں۔ قربان جائیں آپ ﷺ کی شان رحمت پر آپ ﷺ فرماتے ہیں:

عن عبداللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال خیرت بین	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

الشفاعة او یدخل نصف امتی الجنة فاخترت الشفاعة (مسند احمد بن حنبل، ۲:۷۵)	کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں شفاعت کا حق لے لوں یا میری آدھی امت بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کی جائے پس میں نے شفاعت کا حق لے لیا۔

اس لئے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ پہلی صورت میں آدھی امت پہ جاکر بخشش کی حد ختم ہوجاتی ہے جبکہ شفاعت کا حق ملنے کے بعد میں جب تک چاہوں گا جس کو چاہوں گا بخشواتا رہوں گا۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو شفاعت کا حق عطا فرمایا اب روز قیامت حضور ﷺ اپنے گنہگار امتی کی بخشش کیلئے یہی حق استعمال فرمائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے راضی ہونے تک بخشش فرماتا جائے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىO (الضحیٰ، ۹۳:۵)	اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔

اے محبوب! جنت اور دوزخ کے بنانے میں ہمیں خود کوئی حاجت نہیں کوئی نیک ہو یا بد ہماری ربوبیت کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا۔ کوئی سجدہ کرے یا نہ کرے میری خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا، میں شان صمدیت کا مالک ہوں ۔ میں بے نیاز ہوں۔ محبوب! یہ ساری بزم دنیا و آخرت تیرے لیے ہی سجائی ہے۔ تو نے اگر شفاعت مانگی ہے تو دیکھ ہم تجھے یوں شفاعت عطا کریں گے کہ جب تک تیرے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے رہیں گے بخشش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا آقا ﷺ اللہ نے یہ جو وعدہ کیا ہے کہ محبوب! جب تک تو

راضی نہ ہوگا اس وقت تک تجھے عطا کریں گے۔ تو آقا ﷺ آپ کب راضی ہوں گے؟ فرمانے لگے مجھے رب کی عزت کی قسم! اگر میری امت کا ایک فرد بھی جہنم میں رہ گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ آخری امتی کی بخشش پر جا کر میری رضا کا سلسلہ ختم ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ شفاعت فرماتے جائیں گے اللہ تعالی امت کو بخشتا جائے گا حتی کہ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

فاقول یا رب ائذن لی فیمن قال لا اله الا الله فیقول و عزتی و جلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منهامن قال لااله الا الله
(صحیح البخاری، ۲:۱۱۱۹)

میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان کی اجازت بھی دیجئے جنہوں نے لا اله الا الله کہا ہے پس (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ مجھے اپنی عزت اپنے جلال اپنی کبریائی اور عظمت کی قسم ہے میں ضرور دوزخ سے انہیں بھی نکال دوں گا جنہوں نے لا اله الا الله کہا ہے۔

یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بداعمالیوں پر قبر و آخرت میں سزا کا سلسلہ کہاں گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بداعمالیوں پر سزا کے نظام کو گزار کر حضور ﷺ کی شفاعت بالآخر ہر امتی کو بخشوالے گی۔ اگر شفاعت نہ ہوتی تو بداعمالیوں پر ہمیشہ سزا ملتی۔ یہ شفاعت ہے کہ ہمیشہ کی سزا کی بجائے شفاعت کے صدقے بخشش نصیب ہوگی۔

۲۔ شفاعت صغریٰ

اللہ رب العزت نے شفاعت کا حق حضور ﷺ کی امت کے لئے بھی مختص فرمادیا۔ ایک شفاعت کبریٰ عطا کردی ایک شفاعت صغریٰ دی۔ شفاعت کبریٰ رسول پاک ﷺ کے لیے مقام محمود کی شان کے مطابق مختص ہوگی اور شفاعت صغریٰ

حضور نبی کریم ﷺ کے ہر نیک اور صالح امتی کے لئے مختص ہوگی۔ قرآن پڑھنے والوں کی قرآن شفاعت کرے گا۔ روزے رکھنے والوں کی روزہ شفاعت کرے گا۔ حجر اسود کو بوسے دینے والوں کی حجر اسود شفاعت کرے گا کہ باری تعالی اس کے لب مجھ سے لگے تھے' کعبہ بھی شفاعت کرے گا' اولیاء بھی شفاعت کریں گے' صلحاء بھی شفاعت کریں گے نیک اولاد بھی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ معصوم بچہ بھی شفاعت کرے گا۔ ہم کس طرح شفاعت کے تصور کا انکار کرسکتے ہیں۔ جب معصوم بچہ فوت ہوجاتا ہے تو اس کی شفاعت مانگی جاتی ہے کہ اس معصوم بچے کو آخرت میں ہماری شفاعت کرنے والا بنا دے۔ یہ نمازہ جنازہ کی دعا ہے اگر بچے شفاعت نہ کرسکتے ہوں تو نماز جنازہ کی دعا کی عبارت عبث اور لغو ہوجاتی ہے۔

کسی پیاسے کو پانی پلا دیا تو وہ بھی شفاعت کرے گا۔ کسی زخمی کتے کی مرہم پٹی کر دی تو یہ عمل بھی شفاعت کا باعث بن جائے گا' کسی بیمار کی عیادت کردی تو یہ عمل بھی شفاعت کا موجب ہوجائے گا۔

یہ جو فرمایا **فاخترت الشفاعة** میں نے شفاعت کو منتخب کرلیا اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کی بخشش کے لئے شفاعت کا جال بچھا دیا۔ ہر کسی کے لئے شفاعت کے ہزاروں راستے مہیا فرما دیئے اور جب کسی کی شفاعت بھی کام نہ آئے گی تو مکین گنبد خضرا ﷺ اٹھ کر شفاعت کبریٰ کا جھنڈا اٹھالیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد' نیکو کار' اولیاء' صلحاء بغیر حساب کے بخشے جائیں گے اور پھر ان میں سے ہر ہر فرد مزید ستر افراد کو بغیر حساب کتاب کے بخشوائے گا۔

عن محمد بن زیاد الالھانی قال سمعت ابا امامة یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول

حضرت محمد بن زیاد الالھانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے رسول

وعدنی ربی ان یدخل الجنۃ من امتی سبعین الفا لا حساب علیھم ولا عذاب مع کل الف سبعون الفا۔
(جامع الترمذی، ۶۶:۲)

اللہ ﷺ سے سنا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور پھر ہزار افراد کے ساتھ مزید ستر ہزار افراد پر بھی عذاب نہیں ہو گا۔

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت پر اللہ کا یہ بھی احسان ہوگا کہ آخرت کے عذاب کو قبر کی صورت میں ختم کر دیا جائے گا۔ قبر میں سزا دے کر قبروں سے یوں اٹھایا جائے گا کہ ان کا حساب کتاب ہو چکا ہوگا۔ اور جب وہ قیامت کے میدان میں آئیں گے تو صرف میرے سر پر ہی شفاعت کا سہرا ہوگا پس شفاعت کے اس نظام کو قائم کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچے، ایک کی نیکی سے دوسرے کو برکت ملے، ایک کی کوشش سے دوسرے کو عذاب اور مصیبت سے نکالا جائے، یہ سارا تصور ایصال ثوب کا ہے، اگر عمل غیر سے انتفاع جائز نہ ہوتا، ثواب نہ پہنچتا تو اللہ تعالیٰ کبھی یہ نظام عطا نہ فرماتا اسلئے کہ فطرت کے نظام میں وحدت ہے۔ اس نظام میں کسی جھول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب تک کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ شرعاً یہ تصور درست اور صحیح ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک شخص کے عمل صالح کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس مسئلے کی شرعی حیثیت قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کر کے نفس مضمون کو واضح کریں گے۔

سب سے پہلے ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ آیا کسی ایک انسان کا عمل دوسرے کے لئے باعث نفع ہے اور شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

باب اول

قرآن و سنت کی روشنی میں عملِ غیر سے نفع کا ثبوت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ وہ ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے اور نہ صرف یہ کہ لواحقین کے عمل کا ثواب میت کو پہنچتا ہے بلکہ قرآن کی رو سے کسی صالح، متقی مومن بزرگ کے عمل کا فائدہ بعد میں آنے والی ذریت کو بھی ہوتا ہے۔ انتفاع عمل غیر کے اس اصول پر قرآن مجید میں سورہ طور کی آیت ۲۱ شاہد عادل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (الطّور، ۵۲:۲۱)	اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم (جنت میں) ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ہم ان کے اعمال (کی جزا) میں کچھ کمی نہ کریں گے۔

مذکورہ صدر آیت کریمہ میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مومنین کاملین جو خود تو نیکیاں کما گئے، صالحیت، تقویٰ اور زہد و ورع کی زندگی بسر کر گئے لیکن ان کی اولاد اتنا نیک عمل نہ کر سکی اور اپنے ان بزرگوں کے درجے تک پہنچنے سے قاصر رہی مگر چونکہ ایک تو ان کی ان بزرگوں کے ساتھ نسبت ذریت تھی اور دوسرے انہوں نے اپنے بزرگوں کا راستہ اپنایا، ایمان میں ان کی متابعت کی کفر اختیار نہ کیا۔ لہٰذا ان دو وجوہات کی بناء پر اللہ تعالیٰ آخرت میں ان بزرگوں کے لواحقین اور متعلقین کو ان کے اعمال کی وجہ سے اجر کے حساب سے ان بزرگوں کے ساتھ ملا دیں گے۔ یعنی مومنین مخلصین کے اعمال صالحہ کی برکت سے ان کی اولاد و ذریت کو بھی حصہ ملے گا اور ان نیک لوگوں کے اعمال کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔

ا۔ باہمی عقیدت و محبت کا فائدہ

رضائے الٰہی کی خاطر جب کوئی بندہ کسی اللہکے بندے سے محبت کرے گا تو روز قیامت رب رحیم اس محبت کا اسے فائدہ دے گا اور ان دونوں کو ملائے گا۔

اس بات کی تائید حضور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

ا. عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو ان عبدین تحا با فی اللہ عز و جل واحد فی المشرق واخر فی المغرب لجمع اللہ بینھما یوم القیمۃ یقول ھذا الذی کنت تحبہ فی۔

(مشکوۃ: ۴۲۷)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ دو بندے جو محض رضاء الٰہی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کریں جن میں سے ایک اگرچہ مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ روز قیامت ان کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا کہ یہ (تمہاری ملاقاتؓ) اس محبت کی وجہ سے ہے جو تم محض میری (رضا کی) خاطر کرتے رہے ہو۔

یہ حدیث پاک مذکورہ صدر آیت کریمہ کی بین تفسیر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن دو شخص ایسے ہوں گے جو دنیا میں ایک دوسرے سے محض اس لئے محبت کرتے ہوں گے کہ وہ اللہ کا نیک اور برگزیدہ بندہ ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے محبت کرنے والا سچا غلام ہے۔ یعنی ان کی یہ قلبی محبت کسی دنیوی منفعت، جاہ ومنصب اور مال و دولت اور مادی غرض کی بنا پر نہ ہوگی بلکہ صرف اور صرف نیکی کی بنا پر ہوگی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ان میں ایک کہیں

دور مشرق میں رہتا ہوگا اور دوسرا کہیں مغرب میں۔ اتنے بُعد اور فاصلے کی وجہ سے اگرچہ ظاہری زندگی میں وہ ایک دوسرے سے ملاقات نہ کر سکے ہوں گے لیکن اس کے باوجود یہ تعلق اتنا بڑا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس نیک بندے کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوسرے نیک بندے کے ساتھ ملا دے گا اور فرمائے گا کہ تو دنیا میں خالصتاً میری وجہ سے میرے اس نیک بندے کے ساتھ محبت کرتا تھا آج میں نے تجھے اس سے ملایا جہاں یہ جائے گا وہاں تو بھی جائے گا جو انجام خیر اس نیک بندے کا ہوگا وہی تیرا بھی ہوگا۔

۲۔ایک متفق علیہ حدیث میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

عن ابی وائل قال قال عبداللہ بن مسعود جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ کیف تقول فی رجل احب قوماً ولم یلحق بھم فقال رسول اللہ ﷺ المرأ مع من احب

(صحیح البخاری، ۲:۹۱۱)

حضرت ابو وائل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جن سے نہ ملا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس سے محبت رکھتا ہو اس کا (حشر) اسی کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث پاک میں بھی کسی شخص کے عمل صالح کی برکت سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کا ثبوت ہے وہ بایں طور کہ یا تو وہ محبت کرنے والا شخص بعد مکانی و زمانی

کی وجہ سے دوسرے نیک اور صالح بندے سے اکتساب فیض نہ کرسکا لیکن چونکہ وہ ایسے شخص سے محبت کرتا تھا جو اللہ کا نیک بندہ تھا، متقی پرہیز گار اور صالح تھا لہذا اس برگزیدہ بندے کے نیک اعمال کی برکت اس سے محبت کرنے والے کو بھی ملے گی اور وہ قیامت کے روز اس کے ساتھ ہوگا۔ محبت ایک لازوال رشتہ ہے، موت کی دیوار بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی اور پھر موت تو ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے بعض نیک بندوں کے ساتھ محبت تو تھی مگر وہ نیک اعمال میں ان نیک بندوں کے ساتھ نہ مل سکا تو فرمان نبوی ﷺ کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ساتھ سچی محبت و عقیدت کی بنا پر قیامت کے دن اس کو ان کے ساتھ ضرور ملا دیگا اور اس عقیدت کیش کا حساب و کتاب اور انجام بھی نیک برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

ان احادیث پاک سے واضح ہورہا ہے کہ باہمی عقیدت و محبت کی بنا پر ایک شخص کے عمل کا فائدہ دوسرے کو پہنچتا ہے۔ ایک شخص نے عمل کیا لیکن دوسرا نہ کرسکا۔ بزرگی و ولایت، تقویٰ و روحانیت، صدق و اخلاص اور عبدیت میں ایک شخص نے جو بلند مقام پایا دوسرا اپنے اعمال کی بنا پر وہ مقام حاصل نہ کرسکا۔ لیکن چونکہ اسے اللہ کے ان نیک بندوں کے ساتھ محض اللہ کے لئے قلبی محبت و عقیدت تھی جس میں کوئی دنیوی منفعت، حرص و لالچ اور مادی غرض و غایت شامل نہ تھی اس لئے اللہ رب العزت ان کے اعمال کی برکتوں میں، ان کی عبادتوں کے فضائل اور عظمتوں میں اور ان کے اجر میں ان کے عقیدت مندوں کو بھی شامل کردے گا اس شان کے ساتھ کہ ان نیک لوگوں کے اپنے اعمال کے اجر میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی۔

۲۔ اعمالِ صالحین کی برکت سے قاتل کی بخشش

اعمال کے انجام‘ اجر اور اس کی جزا و سزا کا انحصار نیتوں پر ہوتا ہے۔ جو شخص اس نیت سے گھر سے نکلا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کا ثواب ملے گا اور جو دنیا کے لئے ہجرت کرے گا اسے دنیا مل جائے گی۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل وسیع ہے لہذا جو شخص جس نیت سے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات عمل کی تکمیل کے بغیر بھی اس کا پورا اجر اس کی نیک نیتی کی بنا پر اسے عطا کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (النساء‘ ۴:۱۰۰)	اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے‘ پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔

آیت کریمہ میں اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ جو بھی شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا مگر وہ ہجرت پوری نہ کر سکا لیکن چونکہ ہجرت کے ارادے سے گھر سے نکل پڑا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس نیک عمل کا اسے پورا اجر عطا کرنا اپنے ذمے لازم کر دیا اگرچہ بوجہ موت اس کا عمل ہجرت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

١. انما الاعمال بالنيات و انما لا مرئ ما نویٰ فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او الى أمراة ينكحها فهجرته الى ما هاجر اليه۔

(صحیح البخاری، ۲:۱)

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی چنانچہ جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس کے لئے ہے جس مقصد کیلئے اس نے ہجرت کی۔

۲۔ اس بات کی مزید تائید صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث پاک سے ہوتی ہے۔

عن ابی سعيد الخدری ان نبی الله ﷺ قال كان فيمن كان قبلكم رجل قتل تسعة و تسعين نفساً فسال عن اعلم اهل الارض فدل على راهب فاتاه فقال انه قتل تسعة و تسعين نفساً فهل له من توبة فقال لا فقتله فكمل به مائة تم سأل عن اعلم اهل الارض فدل على رجل عالم فقال انه قتل مائة نفس فهل له من توبة فقال نعم و من يحول بينه و بين التوبة

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کئے پھر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑا راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گزار) کا پتا بتا دیا گیا وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس

انطلق الی ارض کذا و کذا فان بھا اناساً یعبدون اللہ تعالی فاعبداللہ تعالی معھم ولا ترجع الی ارضک فانھا ارض سوء فانطلق حتی اذا نصف الطریق اتاہ الموت فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب فقالت ملائکۃ الرحمۃ جاء تائبا مقبلاً بقلبہ الی اللہ وقالت ملائکۃ العذاب انہ لم یعمل خیراً قط فاتاھم ملک فی صورۃ ادمی فجعلوہ بینھم فقال قیسوما بین الارضین فالی ایتھما کان ادنی فھولہ فقاسوا فوجدوہ ادنی الی الارض التی اراد فقبضتہ ملائکۃ الرحمۃ۔

(الصحیح لمسلم، ۲: ۳۵۹)

(صحیح البخاری، ۱: ۴۹۳)

شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے سو (۱۰۰) قتل پورے کردئے، پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتا بتا دیا گیا، اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کئے ہیں کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ عالم نے کہا ہاں تیرے اور توبہ کے درمیان کیا چیز حائل ہوسکتی ہے! جاؤ فلاں فلاں جگہ پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں تم ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بری جگہ ہے، وہ شخص روانہ ہوا، جب وہ آدھے راستے پر پہنچا تو اس کو موت نے آلیا اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوگیا، رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ

ہوتا ہوا آیا تھا، اور عذاب کے فرشتوں
نے کہا اس نے بالکل کوئی نیک عمل
نہیں کیا، پھر ان کے پاس آدمی کی
صورت میں ایک فرشتہ آیا انہوں نے
اس کو اپنے درمیاں حکم بنالیا،
اس نے کہا دونوں زمینوں کی پیائش
کرو، وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہوگا
اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا جب
انہوں نے پیائش کی تو وہ اس زمین کے
زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا
ارادہ کیا تھا پھر رحمت کے فرشتوں نے
اسکی روح کو قبض کرلیا۔

اس حدیث پاک سے ایک تو اس تصور کی وضاحت ہوتی ہے کہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ محض نیک نیتی اور نیک ارادے کا بھی پورا پور اجر عطا فرماتا ہے اگرچہ عمل کی تکمیل بوجوہ نہ ہوسکی ہو، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کے اعمال کی برکتوں میں سے گنہگار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث پاک میں تفصیل سے بیان ہوا کہ سو افراد کا قاتل چونکہ نیک نیتی کے ساتھ توبہ کیلئے نیکوکاروں کی بستی کی طرف چل پڑا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان نیکوکاروں اعمال صالحہ کی برکت اور ان کی طرف ہجرت کی نیت کی بنا پر اس کو بخش دیا۔

اور اسی مقام پر صحیح مسلم کی یہ روایت بھی ہے کہ وہ شخص ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے کر چکا تھا کہ اسے موت نے آلیا۔ اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی بستی نسبتاً دور تھی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نسبت کی حیا کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے زمین کو سکڑنے کا حکم دیا کہ وہ ان نیک لوگوں کی بستی کے قریب ہوا لہٰذا رحمت کے فرشتے اس کی روح قبض کر کے لے گئے اور یوں اللہ نے اپنے صالح بندوں کے اعمال کی وجہ سے اسے بخش دیا۔ (صحیح مسلم، ۲: ۲۵۹)

نیکی میں دوسروں کو شریک کرنا اللہ کا پسندیدہ عمل

مذکورہ بالا روایت سے کہ اللہ نے زمین کو سکڑنے کا حکم دیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص کے عمل کے ثواب، اجر، برکت اور فضیلتوں میں کسی دوسرے شخص کو شامل کرنا اللہ تعالیٰ کا دستور اور سنت ہے اور یہ طریقہ اللہ کو پسند ہے۔ جب نیکی کے عمل کے اجر میں دوسرے کو شریک کرنا خود اللہ رب العزت کی سنت ٹھہرا تو جو عمل خود اللہ کی سنت اور اس کا پسندیدہ ہو اگر اس کے بندوں میں سے کوئی دوسرا شخص وہی عمل کرے گا یعنی خود عمل صالح کر کے اس کے اجر میں دوسرے کو شریک کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ عمل کیوں پسند نہ ہوگا؟

۳۔ لواحقین کے عمل سے میت کو فائدہ

مال وراثت وہ حق ہے جس کو شریعت نے نسبی رشتے کی بنا پر میت کے وارثوں کے لئے متعین کیا ہے۔ اس میں کسی غریب، امیر، یتیم اور مسکین کو دخل نہیں۔ مال وراثت نہ تو خدمت کا معاوضہ ہوتا ہے اور نہ غربت کے سبب سے متعین ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اولاد میں سے کوئی امیر ہو یا غریب، کسی نے ماں باپ کی خدمت کی

ہو یا نہ کی ہو' کوئی فرمانبردار تھا یا نا فرمان یا کسی نے مرتے وقت تک اپنے ماں باپ کو پوچھا تک نہیں پھر بھی اسے شریعت کا مقرر کردہ حصہ مال وراثت میں سے ملے گا۔ اس لئے شرعاً کوئی اپنی اولاد کو اپنی وراثت سے عاق نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حق وراثت تو پیدا ہی مرنے کے بعد ہوتا ہے لہذا جو حق ابھی پیدا ہی نہ ہوا کوئی اس سے کس طرح عاق کر سکے گا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مال وراثت شرعاً خالصتاً حقداروں کے لئے ہوتا ہے کسی غیر حقدار کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تو اس کے باوجود قرآن حکیم نے اس مال وراثت کی تقسیم کے وقت غیر وارث یتیموں اور مسکینوں کو بھی باعزت طریقے سے کچھ نہ کچھ دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا o (النساء ۴:۸)	اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو o

تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے یتیموں مسکینوں اور غیر وارث رشتہ داروں کو دینے کا حکم کیوں دیا اس کی حکمت اور فلسفہ کیا ہے؟ تو اس کا فلسفہ اور حکمت یہ ہے کہ مال وراثت میں سے ہر کوئی اپنا حصہ وراثت لیکر اپنے گھر کو گیا' مال ختم ہوگیا لیکن یہ مال جس کے خون پسینے کی کمائی تھی' جس کی محنت اور کاوش تھی اور جس کی پوری زندگی محنت کرنے میں گزری اس کو اس مال نے قبر میں کیا فائدہ پہنچایا۔ وارثوں کے حق لینے سے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا جبکہ اللہ پاک پسند فرماتا ہے کہ اسے بھی فائدہ پہنچے اس لئے وارثوں کو حکم دیا کہ اس کے مال میں سے یتیموں

اور مسکینوں پر صدقہ و خیرات کیا کرو۔ وہ مال جو یتیموں کے پاس پہنچ جائے گا اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچ جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کے ذریعہ اللہ پاک نے لواحقین کا عمل میت کیلئے فائدہ مند ٹھہرایا۔

۴۔عمل صالحین کا بعد میں آنے والوں کو فائدہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اولاد اور متعلقین کے عمل' ایصال ثواب کی بنا پر میت کو فائدہ پہنچتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگلے جو کر جاتے ہے اس کمائی کو پچھلے اجر و ثواب کی صورت میں کھاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ملاقات موسیٰ و خضر علیہما السلام کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب دونوں ہستیاں ایک بستی والوں کے پاس آ پہنچیں تو انہوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا' بستی والوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کردیا پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی' حضرت خضر علیہ السلام نے اسے سیدھا کردیا سیدنا موسی علیہ السلام سے رہا نہ گیا آپ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس تعمیر پر مزدوری لے لیتے مگر حضرت خضر علیہ السلام نے بعد میں اس تعمیر کی جو وجہ بیان کی قرآن میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج (الکھف' ۸۲:۱۸)	اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کیلئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا۔

واضح ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان یتیم بچوں پر اتنی بڑی شفقت

جو فرمائی وہ محض اس لئے نہیں تھی کہ وہ یتیم ہیں بلکہ وہ اس وجہ سے تھی کہ ان کے آبا و اجداد میں سے کوئی اللہ کا ولی ہوگزرا تھا۔ مفسرین میں سے بعض نے وہ صالح شخص خود ان کے باپ یا دادا کو قرار دیا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کے اجداد میں سے چھٹے بزرگ اللہ کے کامل ولی تھے اس وجہ سے اللہ تعالی نے حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعہ ان یتیموں کو فائدہ دیا۔ یعنی عمل کسی کا تھا اور فائدہ اور برکت کسی اور کو بھی مل گئی۔ پس قرآن سے واضح ہوگیا کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کو فائدہ دیتا ہے۔

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا استدلال

سورہ کہف کی اس آیہ کریمہ کے حوالے سے سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی سے پوچھا یہ بتا کہ سورہ کہف میں یتیموں کے مال کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کس سبب سے فرمائی۔ خارجی نے جواب دیا حضرت ان یتیموں کے مال کی حفاظت ان کے باپ یا جد امجد کی نیکی صالحیت اور تقویٰ کی وجہ سے کی۔ جب وہ یہ جواب دے چکا اس پر امام حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اے خارجی اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔

فابی و جدی خیر منه۔ ”میرے باپ اور میرے جد امجد ان یتیموں کے آباو اجداد سے زیادہ نیک عمل والے ہیں“

(تفسیر روح المعانی، ۱۶:۱۳)

اللہ تعالیٰ ان کے جد کی نیکی اور تقوی کا حیا فرمایا ہے اور تم میرے باپ کی نیکی اور میرے نانا کے تقویٰ کا ذرا احساس اور حیا نہیں کرتے، ہمارے ساتھ مسلسل دشمنی اور مخاصمت کا وطیرہ رکھتے ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا فرمان

اس طرح مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ایک صحابی حضرت خثیمہؓ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

قال عیسی بن مریم طوبی لولد المؤمن طوبی لهم یحفظون من بعد و قراء خثیمه وكان ابوهما صالحا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا مومن کی اولاد کے لئے خوشخبری ہے خوش نصیبی ہے ان کی کہ اللہ تعالی ان کے والدین کی نیکیوں کی برکت سے بعد از وصال بھی ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ پھر صحابی نے مذکورہ آیت تلاوت کی۔

۱.مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۳: ۱۹۴. رقم۱۶۰۷۹

اس کو علامہ آلوسی اور بہت سے مفسرین نے محدثین کے حوالے سے انہیں الفاظ سے بیان کیا کہ نیکوں کی اولاد کو اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے اعمال کی برکت سے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے جنت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مبارک ہو مومنوں کو کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی وجہ سے ان کی اولاد کو بھی اپنی حفاظت اور امان میں رکھتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، ۱۷:۱۳)

۵۔شہدا اور صالحین کا اپنے متوسلین اور متعلقین کو فائدہ

قرآن مجید میں شہداء کے حوالے سے یہ مذکور ہے کہ شہداء کو مردہ گمان بھی نہ کرو۔شہید صرف وہ نہیں ہوتا جو تلوار سے ہلاک ہوتا ہے بلکہ جو شخص اللہ کے عشق، اطاعت، محبت، مجاہدے میں اپنی جان کا نذرانہ اس کے حضور پیش کر دیتا ہے وہ بھی بہت

بڑی شہادت کا رتبہ پاتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضورﷺ ایک غزوہ سے واپس لوٹے تو صحابہ سے فرمایا:

مرحبا بکم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔ خوش آمدید تم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔

(احیاء علوم الدین ۳:۵۷)

تو اس حدیث پاک کی رو سے محاذ جنگ میں جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے لیکن اس اندر بیٹھے ہوئے نفس کے خلاف جہاد کرنا بڑا جہاد ہے۔ اس لئے کہ یہ نفس ہی ہے جو ہر گھڑی انسان کو بہکاتا رہتا ہے لہذا اس کی ناپاک خواہشات کے خلاف اس کی پلید تمناؤں اور اس کے ناپاک منصوبوں کے خلاف جہاد کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ وہ صالحین و متقین جو اس نفس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنی زندگی اللہ کے حضور پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ہی بہت بڑے شہید گردانے جاتے ہیں۔ بقول شاعر

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگر است

وہ لوگ جو عشق، محبت اور تسلیم و رضا سے اپنی گردن کٹا دیتے ہیں ان کو ہر لمحہ نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی شہادت پاتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ شہداء جب اس دنیا سے چلے جائیں تو انہیں مردہ گمان بھی نہ کرو۔ اللہ کی بارگاہ میں جنت میں ان کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے رشتہ دار ان کے دوست احباب اور ان کے متعلقین، متوسلین کے ایمان، اعمال اور زندگی کے جملہ احوال جنت میں ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں پچھلوں کے احوال سے باخبر رکھتے ہیں اور اگر یہ

غلط زندگی بسر کریں تو ان کی بداعمالیاں بھی ان پر پیش ہوتی ہیں۔ ان کی نیکیوں کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں اور باری تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کی بداعمالیوں کو دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! ان کو ہدایت عطا فرما۔ حدیث پاک ہے۔

عن انس قال رسول الله ﷺ ان اعمالکم تعرض علی أقاربکم وعشائرکم من الاموات فان کان خیراً استبشروابه وان کان غیر ذلک قالوا اللهم لا تمتهم حتی تهدیهم کما هدیتنا۔

(مسند احمد بن حنبل، ۳:۱۶۵)

حضرت انس رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ بیشک تمہارے اعمال تمہارے رشتہ دار اور خاندان کے مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ اچھے ہوں تو انہیں خوشی ہوتی ہے اگر برعکس ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ انہیں اس وقت تک موت نہ دے حتی کہ انہیں ہدایت دے جیسے ہمیں ہدایت دی ہے۔

یہ نہ سمجھ لیں کہ چلنے والے چل بسے صرف ہم ہی کو موقع ملتا ہے کہ ہم اگر چاہیں ان کی مدد کریں اور یہ کہ صدقہ وخیرات اور نیک اعمال کا ثواب ان کی روح کو پہنچا کر صرف ہم ہی ان کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ نہیں، بلکہ یہ تو انہوں نے جو ہماری نیک تربیت کی، ہمیں سیدھی راہ پر چلانے کی کوشش کی اس احسان کا بدلہ ہے کہ ہم نیک اعمال کے ایصال ثواب کے ذریعۂ دعائے بلندئ درجات کے ساتھ ان کی خدمت بجا لائیں کیونکہ قرآن کہتا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ○ ج (الرحمٰن، ۵۵:۶۰)

اور احسان کا بدلہ بھی احسان کے سوا کیا ہے○

لیکن ان کی خدمت بجالانے کا صرف ہمیں ہی موقع نہیں ملتا۔ہم ان کی خدمت خدا جانے بجالاتے ہیں یانہیں لیکن جو نیکوکار چل بسے وہ قیامت تک اپنے متعلقین کی خدمت بجالاتے رہتے ہیں۔ وہ ہر گھڑی اپنے متعلقین کے بداعمال پر پریشان ہوکر اللہ کی بارگاہ میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اس دنیا سے رخصت ہوجانے والا نیکوکار جولمحہ بہ لمحہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے جس کے احسان کا سلسلہ ہر وقت آپ پر قائم ہے اور آپ کو اتنا بھی احساس نہ ہو کہ اس احسان کے عوض اسے یاد کریں؟ پس حدیث نبوی ﷺ سے یہ بات طے پاگئی کہ اللہ تعالی اس امت میں ایک کے اعمال صالحہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۶۔ نیک اولاد کے اعمال سے میت کو فائدہ

یہ بات بہت بڑی غنیمت ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں بے شک دولت کمائے' دنیا کمائے۔عزت کمائے شہرت کمائے جو کچھ چاہے حلال طریقے سے' جائز طریقے سے کمائے لیکن ان ساری کمائیوں سے بڑھ کر بڑی کمائی یہ ہے کہ کوئی نیک اولاد کما جائے۔ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو اعمال صالحہ پر کاربند کر جائے' انہیں قرآن و سنت کی تعلیم اور شعور دے کر اس قابل بنا جائے کہ انہیں اپنے مرنے والے والدین کا احساس ہو۔ اگر آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اور آپ کی اولاد آپ کے مرنے کے بعد آپ کے برزخی احوال کو بھول گئی تو میرے نزدیک یہ ذمہ داری اولاد پر نہیں۔ آپ پر ہے۔آپ نے انہیں وہ راہ ہی نہیں بتائی' انہیں آپ نے حق کا وہ

احساس ہی نہیں دلایا کہ وہ مرنے کے بعد بھی آپ کا حق اپنے اوپر محسوس کر سکے۔ ارشادات نبوی ﷺ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. عن ابی هريره ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة من صدقه جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له۔ (الصحيح لمسلم، ۲:۴۱)	حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا ذاتی عمل اس سے منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔ صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرتا رہے

حدیث پاک میں آتا ہے حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص دیکھے گا کہ اسے پہاڑوں کی مانند نیکیوں کے انبار عطا کردیئے گئے وہ کہے گا کہ باری تعالیٰ یہ نیک اعمال میں نے تو نہیں کئے لیکن اتنی عزت افزائی میری کس سبب سے ہو رہی ہے۔ جواب آئے گا کہ میرے بندے ہمیں معلوم ہے کہ تو اس قدر نیکی نہ کرسکا لیکن جس اولاد کو تو اچھی تربیت کے ساتھ چھوڑ آیا ہے وہ مسلسل تیری مغفرت کی دعا کرتی رہی ہے۔ تیرے بیٹے کی دعائے مغفرت کی سبب تجھے یہاں نیکیوں کے یہ انبار عطا کردیئے گئے روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

۲. عن ابی هريره قال ترفع للميت بعد موت درجته فيقول: اى رب اى شئ هذا؟ فيقال ولدک استغفرلک	حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد میت کے لئے ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔ وہ کہے گی اے رب یہ کیا ہے؟ پس کہا جائے گا

(الادب المفرد للبخاری، ۲۱. ۲۲) تیرے بیٹے نے تیرے لئے بخشش کی دعا کی!

حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص مر گیا، اللہ کے پیغمبر نے اس شخص کو دیکھا کہ اسے سخت عذاب ہو رہا ہے۔ چاروں طرف دوزخ کی آگ ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا گزر پھر اسی قبر سے ہوا دیکھا کہ وہ بخشا جا چکا ہے اس کو بخششوں اور جنت کی نعمتوں کے تحائف دیئے جا رہے ہیں انہوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی کہ باری تعالی! ابھی چند دن پہلے تو میں اپنی آنکھوں سے کشف کے ذریعے اس کو دوزخ کے عذاب میں جلتا دیکھ کر گیا تھا اور آج یہ بخشش اور مغفرت کے تحائف میں کھیل رہا ہے اس کا سبب کیا ہے باری تعالی نے فرمایا کہ اے میرے محبوب بندے! اپنے اعمال کی وجہ سے یہ عذاب ہی کا مستحق تھا اسی لئے اسے عذاب دیا گیا لیکن یہ شخص مرتے وقت اپنا ایک معصوم بچہ چھوڑ کر آیا تھا اس کی ماں نے اسے دین کی تعلیم کے لئے استاد کے پاس بٹھا دیا۔ استاد کے پاس جب اس نے میرا نام لیا تو مجھے حیاء آ گئی کہ اس کا معصوم بیٹا میرا نام لے رہا ہے اور یہ دوزخ میں جل رہا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اولاد کے نیک اعمال سے والدین کو آخرت میں عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔

۷۔ دعا سے فائدہ

اسلام دین فطرت ہے، ایک سچا مومن وہ مرد کوہستانی ہو یا بندۂ صحرائی، اپنے قول و عمل سے فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرتا ہے یعنی اس کا ہر عمل اپنے خالق حقیقی کی اطاعت اور رسول آخر ﷺ کی اتباع اور ان کی خوشنودی کے حصول کی راہ میں گزرتا ہے دعائے نیم شبی لرزتے ہونٹوں پر مچلتی ہے تو رحمت کے ان گنت دروازے کھل جاتے ہیں اسی لئے دعا کو عبادت کی روح قرار دیا گیا۔ بندۂ مومن

اس روح کو اپنی سانسوں کی گرمی میں زندہ و متحرک رکھتا ہے' دعا بندے اور خدا کے درمیان اس عاجزانہ سرگوشی کا نام ہے جس میں شان بندگی کا ہر پہلو مومن کی معراج ٹھہرتا ہے۔ دعا مسلمان کا زاتی فعل ہے جس کا نفع اس کی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے' زندوں کو بھی پہنچتا ہے اور مردوں کو بھی پہنچتا ہے اس دنیا سے رخصت ہو جانے والے ہماری دعاؤں کے محتاج ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان دن میں پانچ بار اپنے لئے اور اپنے والدین و عزیز و اقارب کے لئے دعا کرتا ہے۔

قرآن مجید اور سنت نبوی میں جابجا ایک شخص کو دوسرے کے حق میں دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دعا خود ایک عبادت ہے۔ ایک شخص اپنے کسی عزیز دوست کی صحت یابی'اصلاح احوالیا مغفرت کیلئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو صحت عطا فرماتا ہے'اسکے گناہ بخش دیتا ہے'اور اسکے حالات کو درست فرما دیتا ہے حالانکہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس کی دعا کا نتیجہ ہے۔ جملہ مؤمنین ہر نماز میں یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ o (ابراہیم' ۱۴:۴۱)

اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو (بخش دے) اور دیگر سب مومنوں کو بھی جس دن حساب قائم ہوگا o

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر آپ کی دعا سے' آپ کی عبادت سے اور آپ کے کلمہ خیر سے آپ کے فوت شدہ والدین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو پھر نماز میں آپ کو ایسی بات کہنے کی تلقین کیوں کی گئی۔ والدین کا تو اولاد کے ساتھ تعلق ہے اولاد ان کی کمائی ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نسبت اور تعلق کی بنا پر دعا درست

ہے لیکن قرآن مجید نے تو بات یہاں پر ختم نہیں کی بلکہ فرمایا:

و للمومنین یوم یقوم الحساب باری تعالیٰ! قیامت تک ہر اہل ایمان کو بخش دے۔

لہٰذا اب محض والدین اولاد اور اعزہ کی تخصیص نہ رہی بلکہ قیامت تک حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جملہ امت کے لئے آپ نے دعا کی۔ وہ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے جن کی روحیں ابھی عالم ارواح میں ہیں، وہ جو عالم ناسوت میں منتقل نہیں ہوئے اور وہ بھی جو صدیوں پہلے گزر گئے، سب کی بخشش کیلئے مومن اپنی نماز میں دعا کر رہا ہے اگر اس کی دعا سے ان کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ نے نماز میں ایسی بات کی تلقین کیوں فرمائی؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذات آپ کی دعا سے ہر کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے تب ہی تو اس نے کہا ہے کہ بندے جب نماز پڑھ لے اور مجھے راضی کر لے اور میری رحمت کا دریا جوش میں آئے تو آخر میں مجھ سے دعا مانگ اور دعا میں صرف اپنے لئے مغفرت نہ مانگ کہ یہ خودغرضی ہوگی، یہ مفاد پرستی ہوگی۔ میرے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں اپنے لئے مانگے گا تو تجھے بھی دوں گا، اپنے والدین کے لئے مانگے گا ان کو بھی دوں گا اور اگر جملہ مومنین کیلئے بھی مانگے گا تو ہر مومن کو بھی بخش دوں گا لیکن تیری بخشش میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

حضرت سفیان ثوریؒ بیان کرتے ہیں کہ لوگو! جس طرح اس زندگی میں تم خورد و نوش کے محتاج ہو بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اس دنیا سے رخصت ہونے والے تمہاری دعاؤں کے محتاج ہیں۔ (شرح الصدور، ۱۲۷)

یہ مت سمجھ کہ نیک اعمال کی صورت میں وہ جو کما گئے صرف اسی کا تعلق ان سے ہے وہ ان کی اپنی کمائی تھی جو انہوں نے اپنی زندگی میں کی لیکن ان کے اس دنیا

سے رخصت ہوجانے کے بعد ان کے لئے جتنی دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ان کے لئے جوصدقہ وخیرات کیا جاتا ہے' جو اعمال صالحہ کئے جاتے ہیں ۔الغرض ان کے لئے جو کچھ بھلائی کے کام کئے جاتے ہیں اس سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے اور ان سے ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی ہوتی ہے اور جنت میں ان کا مقام ومرتبہ بڑھتا ہے۔

ایک حدیث پاک میں حضورﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کسی دوست کیلیئے دعا مانگتا ہے کہ باری تعالیٰ میرے فلاں دوست اورمحبوب کے ساتھ یہ احسان فرما تو جبرئیل علیہ السلام بھی دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس نے دوست کیلیئے دعا کی ہے اسے بھی عطا کر اور اس کی مثل اس کو بھی عطا کر۔" خزانہ خدا میں کوئی کمی نہیں یہ ہماری دنیا ہے کہ ہم محدود عطا کرتے ہیں ۱۰۰ روپے دو میں بانٹیں تو ۵۰۔۵۰ اور اگر چار میں بانٹیں تو ۲۵۔۲۵ فی کس لیکن اللہ کی عطا لا محدود ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی دعا کر رہا تھا:

اللھم ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً۔ اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور محمدﷺ پر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

لقد حجرت واسعاً۔ تو نے (اللہ کی رحمت جو) وسیع (ہے) کومحدود کردیا۔ (صحیح البخاری' ۸۸۹:۲)

مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے اسے تنگ کیوں کرتا ہے ہر کسی کیلیئے مانگ ۔

بیہقی ودیلمی میں حدیث پاک ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ بہت سے مرنے والے ایسے ہیں جو گناہ گار ہوتے ہیں اور جانے کے بعد عالم برزخ میں اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبے رہنے کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں اور فریاد بھری

نگاہیں اٹھا اٹھا کر دنیا میں اپنے پچھلوں کو تکتے رہتے ہیں کہ شائد کوئی ہماری مغفرت کے لئے پہنچ جائے کوئی ہماری بخشش کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دعا کردے۔وہ مسلسل پشیمانی اور پریشانی کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں جب کوئی ان کی بخشش اور بلندی درجات کے لئے نیک عمل کر کے اللہ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہے تو مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کا وہ تحفہ جب ان کے پاس آتا ہے تو ان کے چہروں پر مسکراہٹ مچل جاتی ہے اور وہ خوش ہوکر واپس لوٹتے ہیں اور برزخ میں اپنے پڑوسیوں کو بتاتے ہیں کہ یہ میرے پچھلوں کا تحفہ ہے اور جن کو دعائے مغفرت' ایصال ثواب اور صدقہ و خیرات کا تحفہ نہیں آتا وہ ان کے تحفوں کو دیکھ کر مزید پریشان ہوجاتے ہیں اور تکتے ہیں کہ کاش میرے پچھلے ان کی طرح میرا بھی فکر کریں۔ (معجم الاوسط لطبرانی' ح: ۶۵۰۰)

ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ مردمومن جو عمل صالح اپنے لئے کرتا ہے وہ اس کی برکت اور اجر وثواب میں جس کو چاہے شریک کرسکتا ہے۔ خدا کی ذات اس کا فائدہ ہر کسی کو پہنچا سکتی ہے اور پہنچانے والے کے اجر وثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

۸۔ دنیا کی ذاتی کمائی سے دوسروں کو فائدہ

اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ وہ کسی ایک شخص کے عمل صالح کے اجر وثواب میں دوسروں کوشریک کرتا ہے یہی اللہ کی سنت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی دنیاوی کمائی میں بھی محتاجوں اور ضرورت مندوں کا حق رکھا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَفِیٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ	اور ان کے مال و دولت میں محتاجوں
وَالۡمَحۡرُوۡمِo (الذریت' ۵۱:۱۹)	اورمحروموں کا (بھی) حق ہوتا ہے O

دولت ایک نے کمائی، پیسہ کسی کا تھا، محنت کسی نے کی، رب ذوالجلال نے جب اس میں محتاجوں اور ضرورت مندوں کا حق رکھا ہے تو وہ آخرت کے مال میں دوسروں کا حق کیوں نہ رکھتا ہوگا؟ کیونکہ دنیا کا مال تو ختم ہونے والا ہے جبکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا مال ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱ .وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىo ط — حالانکہ آخرت (کی لذت و راحت) بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے

(الاعلیٰ، ۸۷:۱۷)

۲۔سورہ بقرہ میں ارشادفرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط — اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کوختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعہ مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے۔)

(البقرہ، ۲:۲۷۶)

یعنی اگر کوئی اللہ کے حکم پر اس کی رضاء کیلئے اس کے ضرورت مندوں پر مال خرچ کرے اپنی کمائی میں دوسروں کو شریک کرے تو وہ اس شخص کی کمائی میں برکت ڈالتا ہے اس کے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو وہ ذات جو اس دنیا کے مال میں اوروں کو شریک کرنے پر اضافہ کردیتی ہے وہ ہمارے عمل کے اجر و ثواب میں اوروں کو شامل کرنے پر اس میں اضافہ کیوں نہ کرتی ہوگی۔؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ ذات ضرور اضافہ کرتی ہے۔ آپ اپنے عمل کے اجر و ثواب میں جتنوں کو شامل کرتے جائیں گے اتنا ثواب اور اجر کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔

۹۔ نماز جنازہ سے میت کو فائدہ

نماز جنازہ ایک ایسا عمل ہے جو مرنے والا خود نہیں کرتا بلکہ دوسرے زندہ مسلمان جنازہ پڑھتے ہیں ۔ حمد و ثنا' درود شریف اور مرنے والے کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ مرنے کے ساتھ ہی اس کا عمل والا نظام تو منقطع ہو جاتا ہے اب اگر زندہ انسانوں کا نماز جنازہ پڑھنا' دعا اور عبادت اس کی بخشش و مغفرت کا سبب نہ ہو' اس کی بلندیٔ درجات کا سبب نہ ہو اور اس کے لئے فائدے اور نفع کا باعث نہ ہو تو پھر نماز جنازہ کا عمل بے سود اور بے معنی ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میت کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے اور پڑھنے والے کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ارشاد گرامی ہے:

عن مرثد الیزنی عن مالک بن ھبیرۃ قال قال رسول ﷺ مامن میت یموت فیصلی علیہ ثلاثہ صفوف من المسلمیں الا اوجب۔

مرثد یزنی نے حضرت مالک بن ھبیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کے جنازے پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں مگر یہ کہ اس کے لئے (جنت) واجب ہو گئی۔

(ابو داؤد' ۲: ۹۵)

۱۰۔ عالم برزخ میں نیک پڑوسی کا فائدہ

نہ صرف یہ کہ ایک شخص کی دعا ہی سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہے بلکہ نیک شخص کا قبر میں پڑوس ملنے سے بھی گنہگار کو فائدہ پہنچتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی نیک مسلمان مرجائے تو روئے زمین کا ایک ایک خطہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ باری تعالی اپنے اس نیک بندے کو میرے اندر دفن

کرنا، جب کوئی کافر یا بداعمال فاسق و فاجر مرتا ہے تو زمین کا ہر خطہ توبہ کرتا ہے کہ باری تعالیٰ کہیں یہ میرے اندر دفن نہ ہو، باری تعالی اسے مجھ سے دور لے جا۔ یعنی زمین کی خاک کے ذرے بھی بدبخت سے، بداعمال سے گریز کی دعا کرتے ہیں۔

حضرت ابو هریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفنوا موتاکم فی وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجاء السوء کما یتاذ الحی بجاء السوء۔

(شرح الصدور: ۴۲ بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو نیکوں کے پڑوس میں دفن کیا کرو کیونکہ جس طرح برے پڑوسیوں سے اس دنیا میں پڑوسیوں کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے اس طرح برے پڑوسیوں کی قبروں سے قبر والوں کو آخرت میں بھی اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔

کیونکہ جب عذاب اترتا ہے تو اس کے عذاب کے اثرات سے اس کے گرد و نواح کا ماحول متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ عذاب ایک شخص پر اترتا ہے لیکن پڑوسی اس شخص کے عذاب کی تپش سے بلا وجہ پریشان ہوتے ہیں۔ جس طرح برا پڑوسی کسی دوسرے پڑوسی کو نقصان نہ بھی پہنچائے لیکن پھر بھی محض اس کے شر کی وجہ سے پڑوسی پریشان رہتا ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں عذاب پانے والے شخص کی وجہ سے اردگرد کے پڑوسی پریشان رہتے ہیں اس لئے کوشش کیا کرو کہ اپنی میت کو نیکوں کی قبروں کے ساتھ دفن کرو۔ اس پر صحابہؓ نے پوچھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم! کیا نیک کے پاس دفن کرنے سے اس مرنے والے کو فائدہ ہوگا؟ حضور

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں ؟ برے کے عذاب کی تکلیف پڑوسی کو ہوتی ہے تو اچھے کے ثواب کا فائدہ اس پڑوسی کو کیوں نہ ہوگا؟ حدیث پاک میں اس امر کی تائید ہے کہ ایک شخص مدینہ پاک میں فوت ہوگیا۔ اسے دفن کردیا گیا بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ شخص عذاب میں مبتلاء ہے کچھ دنوں کے بعد پھر اس کی قبر پر ان کا جانا ہوا اور دیکھا کہ وہ بخشا جاچکا ہے۔ اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہے اس سے پوچھا کہ یہ تیری بخشش کا سبب کیا ہوا وہ کہنے لگا کہ اپنے اعمال کی بنا پر تو میں اسی عذاب کا مستحق تھا جسے آپ دیکھ گئے تھے کل پرسوں کی بات ہے کہ کوئی اللہ کا نیک اور برگزیدہ بندہ فوت ہوگیا اور اسے لاکر میری قبر کے نزدیک دفن کردیا گیا اس کے دفن ہوتے ہی اس نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ باری تعالی تو اگر مجھ پر لطف وکرم کرتا ہے تو پھر میں اپنے اردگرد کے چالیس' چالیس قبروں کی بخشش کی شفاعت کرتا ہوں۔ پس اس نے شفاعت کی۔ اللہ نے اس کی شفاعت قبول کر کے اردگرد کے ان چالیس قبر والوں کو بخش دیا ان میں میں بھی آ گیا۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبدالله بن نافع المزنی قال مات رجل بالمدینة فدفن بها فرآه رجل کانه من اهل النار فاغتم لذلک ثم اریه بعد سابعة و ثامنة کانه من اهل الجنة فسأله قال دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من

حضرت عبداللہ بن نافع المزنی رواتی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا پس اسے دفن کیا گیا ایک شخص نے اسے دیکھا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے پھر چند دن بعد اسے اہل جنت میں سے دیکھا پس اس سے اس انعام کا سبب پوچھا تو

جیرانه فکنت منهم۔

(شرح الصدور، ۴۲ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

اس نے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صالح شخص کو دفن کیا گیا اس نے اپنے چالیس پڑوسیوں کی شفاعت کی میں بھی ان میں سے تھا۔

معلوم ہوا کہ صرف یہ نہیں کہ زندہ کوئی نیک کام کریں دعا کریں ایصال ثواب کیلئے نیک اعمال کریں اور ان سے آگے گزر جانے والوں کو فائدہ نہ پہنچے بلکہ کبھی ایک قبر والا شفاعت کر کے دوسرے قبر والے کی شفاعت کا باعث بن جاتا ہے۔

۱۱۔فرشتوں کے عمل سے میت کو فائدہ

ہر شخص کے کندھوں پر دو فرشتوں کی ڈیوٹی ہے۔ ایک اعمال صالحہ اور دوسرا اعمال سیئہ لکھتا رہتا ہے۔ جب بندہ اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو ان فرشتوں کا کام بھی ختم ہوجاتا ہے۔ وہ پھر اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اب دنیا میں ہمارے لئے کوئی کام نہیں رہا کہ جس کے اوپر ہم متعین تھے وہ تو چل بسا اب ہمیں آسمانوں میں رہ کر اپنی عبادت کی توفیق اور اپنی یاد کی اجازت دے۔ لیکن پس مرگ بھی اللہ تعالی اپنے صالح بندے کی قبر پر ہی ان کی ڈیوٹی لگاتا ہے روایات میں آتا ہے کہ:

فیقو مان علی قبره یسبحان ویهللان و یکبران و یکتب ثوابه للمیت الی یوم القیمة ان کان مومناً۔

(تفسیر روح المعانی، ۱۵۔ جزعم، ۷۵:۳۰)

وہ فرشتے پس مرگ اس شخص کی قبر پر ہوتے ہیں۔ اس حال میں کہ اللہ کی تسبیح، تہلیل اور تکبیر کرتے ہیں اور ان تمام اذکار کا ثواب صالح مرد مؤمن کے کھاتے میں قیامت تک لکھتے رہتے ہیں۔

اب یہاں نہ تو کوئی نسبی رشتہ ہے، نہ کمائی کا کوئی فلسفہ کارفرما ہے۔ اس مرد نیک کے ساتھ فرشتوں کا اس طرح کا کوئی تعلق نہیں۔ بس صرف اتنی بات ہے کہ وہ نیک تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے اعمال کے ذریعہ اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کا اہتمام فرمایا۔

۱۲۔ سرسبز ٹہنیوں کی تسبیح سے میت کو فائدہ

اب تک ہم نے عمل غیر سے کسی کو فائدہ پہنچنے کے حوالے سے زندہ انسانوں اور فرشتوں کے اعمال کا ذکر کیا مگر شریعت اسلامی میں تو انتفاع عمل غیر کا اتنا وسیع تصور ہے کہ نباتات کے عمل سے بھی میت کو فائدہ پہنچنے کا ثبوت موجود ہے۔

اس حوالے سے بخاری شریف کی ایک روایت ملاحظہ کریں۔

عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما ليعذبان وما يعذبان من كبير ثم قال بلى اما احدهما فكان يسعى بالنميمة واما الآخر فكان لا يستتر من بوله ثم اخذ عودا رطباً فكسره باثنين ثم غرز كل واحد منها على قبر ثم قال لعله يخفف عنهما مالم ييبسا۔

(صحیح البخاری، ۱:۱۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا فرمایا انہیں عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کی کوئی بڑی وجہ بھی نہیں، ان میں سے ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ کرتا تھا (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں) آپ ﷺ نے ایک سبز شاخ لیکر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر رکھ دیئے پھر فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے امید ہے کہ عذاب میں تخفیف رہے گی۔

آج جو قبروں پر سبز ہرے بھرے پتے اور پھول ڈالے جاتے ہیں ان کی بنیاد یہی حدیث پاک ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کیا کہ عمل غیر کا فائدہ پہنچنا شرعاً عقلاً درست ہے۔ خود اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی نیک عمل میں کسی دوسرے کو شریک کرے۔ اور جب کوئی از خود ایسا عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت اور فیض میں دوسرے کو ضرور شریک کرتا ہے اور اس سے ثواب پہنچانے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اب کے بحث سے واضح ہوا کہ

رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید

''خدا کی رحمت تو تمھیں تمہاری بخشش کے لئے بہانے تلاش کرتی ہے اعمال کے ذخیرے تلاش نہیں کرتی' وہ کسی کی بخشش کے لئے ذخیروں کی محتاج نہیں جسے چاہے بے حساب و کتاب بخش دے کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ اللہ کی بخشش کے انعام کو حاصل کرنے کے یہی بہانے ہیں لیکن کتنے بدبخت اور بدنصیب ہیں ہم لوگ کہ اللہ کی بخشش کے بہانوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔

باب دوم

لیس للانسان الا ما سعی

نفسِ مسئلہ سے متعارض نہیں

عام طور پر لوگ اس ارشاد باری تعالیٰ کے حوالے سے ایصال ثواب سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙO اور یہ کہ ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہےO (النجم، ۵۳:۳۹)

اس آیہ کریمہ کی رو سے ایصال ثواب کے تصور پر بعض ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ انسان جو عمل خود کرتا اس کی کمائی، اس کا اجر اور اس کا صلہ اسے مل جاتا ہے اور اس کے سوا وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا۔ جبکہ ایصال ثواب میں نیکی، صدقہ و خیرات کوئی اور کرتا ہے اور اس کا اجر اور پھل کوئی اور کھاتا ہے۔ مرنے والے نے تو وہ کام کیا ہی نہیں ہوتا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی ایسے عمل کا ثواب اس شخص کو مل جائے جس نے وہ کام کیا ہی نہیں؟

ذیل میں ہم اس مغالطے کے ازالہ کے لئے سب سے پہلے اس آیت کریمہ کے مختلف معانی اور مطالب بیان کریں گے تاکہ ذہن سے یہ شبہ دور ہو جائے کہ اس آیت کریمہ کے معنی و مفہوم کا ایصال ثواب کے شرعی فلسفے کے ساتھ کوئی تعارض، تضاد اور تصادم ہے:

کلام الٰہی میں تعارض نہیں

یہ اٹل حقیقت ہے کہ قرآن پاک کے احکامات میں باہمی طور پر کہیں بھی کوئی تعارض اور تضاد نہیں اس لئے جابجا غیر مسلموں کو یہ چیلنج کیا گیا کہ اگر یہ قرآن کسی اور کا تحریر کردہ ہوتا تو آپ اس میں کثرت کے ساتھ تعارض اور تضاد پاتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًاO (النساء ۴: ۸۲)	اور اگر یہ (قرآن) غیر خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتےO

یعنی کہیں ایک بات کو ناجائز قرار دیا جاتا تو کہیں اس کو جائز قرار دیا جاتا۔ کہیں ایک بات کہی جاتی تو کہیں دوسری بات۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ کی کتب کے موجودہ نسخوں میں واقع ہے۔ وہ کتابیں اصلاً تو اللہ کی طرف سے بطور وحی اتری ہیں مگر بعد میں ان میں تحریف اور تبدیلی کر دی گئی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ان میں جگہ جگہ اس طرح تضاد اور اختلاف ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں لیکن **الحمد** سے والناس تک پورے قرآن میں کوئی کسی ایسے مقام کی نشاندہی نہیں کر سکتا کہ کسی ایک جگہ کا بیان شدہ تصور دوسری جگہ کے بیان کئے ہوئے تصور سے جدا ہو یا متضاد ہو۔ گویا قرآن وحدت فکر اور وحدت علم کا تصور دیتا ہے۔ جب یہ بات طے شدہ ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مقام پر تو انسان کو صرف اپنے عمل کا اجر ملے اور دوسری جگہ ارشاد ہو کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (الطّور ۵۲: ۲۱)	اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم (جنت میں) ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ہم ان کے اعمال (کی جزا) میں کچھ کمی نہ کریں گے۔

لہٰذا اصول یہ طے پایا کہ یہ تو ممکن ہے کہ انسان کے فہم میں کوئی نقص، کمی یا کجی ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے کلام میں تضاد ہو۔ اس

اصول کے تحت ہمیں ان تلاوت کی گئی آیات کے اصل معنی و مفہوم کو پھر سے سمجھنا ہے تا کہ یہ یقین ہو سکے کہ اس آیت کریمہ میں انسانی سعی کا جو تصور بیان کیا جا رہا ہے اس کا دیگر آیات سے کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔

آیت مبارکہ کا پہلا معنی: مسئلہ جبر و قدر

اس آیت کریمہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس کا تعلق مسئلہ جبر و قدر سے ہے۔ کئی ائمہ و مفسرین نے اس آیت کے سیاق و سباق اور اس کے قرینہ کلام کے پیش نظر اس کا مورد محل کافر کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تصور بیان کیا جا رہا ہے کہ کسی کو کافر بنانا اللہ نے مقدر بایں معنی نہیں کیا کہ وہ کافر ہونے پر مجبور ہو۔ یہ تصور غلط ہے۔ کسی کا فاسق و فاجر ہونا' بدکار یا بدکردار ہونا یہ اللہ کی طرف سے ان معنوں میں مقدر نہیں ہے کہ وہ شخص یہی اعمال کرنے پر مجبور ہے اور وہ کوئی عمل صالح نہیں کر سکتا۔ اللہ کے ذمے ان الزامات کو مت ٹھہراؤ۔

اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے۔

۱ – وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ o ج — ہم نے تمہیں دو راستے کھلے طور پر بتا دیئے O (البلد' ۹۰ : ۱۰)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک نجد الخیر ہے اور ایک نجد الشر۔ نجد الخیر سے مراد بھلائی کا راستہ اور نجد الشر سے مراد برائی کا راستہ اور یہ دونوں راستے اس لئے بتائے ہیں تا کہ انسان اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق دو راستوں میں سے جو چاہے اپنا لے۔

۲- قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا ۝ (الشّمس، ۹۱: ۸)
پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی ۝

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے انسان کے نفس میں برائی اور بھلائی دونوں کا شعور رکھ دیا ہے۔ تمہیں بتا دیا ہے کہ اس راہ پر چلو گے تو کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔ یہ فلاح کی راہ ہے جو تم کو ہلاکت اور تباہی سے بچائے گی۔ دوسری راہ شر و برائی اور تباہی و بربادی کی راہ ہے۔

۳۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ

قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ (البقرہ، ۲: ۲۵۶)
بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

یعنی اللہ پاک نے ہدایت کو الگ کر دیا ہے اور گمراہی کو الگ کر دیا ہے۔

۴۔ پھر اللہ پاک سورہ کہف میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ (الکہف، ۱۸: ۲۹)
پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

ہم نے تمہارے گلے میں طوق یا پاؤں میں زنجیر نہیں ڈالے اس لئے کہ ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کو اپنانے میں اگر اللہ کی طرف سے تقدیر کی ایسی زنجیر ہو کہ انسان مجبور ہو تو پھر کسی کافر سے سوال کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کو نہیں رہتا۔ اس طرح قضا و قدر کا سارا تصور مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر سوال و جواب اور جزا و سزا کا تصور ختم ہو جاتا ہے جس نے دنیا میں مجبوری کی حالت میں کچھ کیا ہو اس سے تو دنیادار سوال نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ اس سے کیونکر سوال کرے گا جو سارے عادلوں

سے بڑا عادل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِO (آل عمران' ۳:۱۸۲) — اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتاO

یہ ظلم ہو گا کہ کسی کو کافر ہونے پر تو اس نے مجبور کیا ہو اور پھر مرنے کے بعد بھی اس سے پوچھا جائے کہ تو ایمان کیوں نہیں لایا؟ تو کوئی ادنیٰ شعور اور اخلاق رکھنے والا شخص بھی کسی سے ایسا دھوکہ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ رب کائنات اپنے بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرے۔

انسان کو جو کچھ جزا اور سزا ملتی ہے یہ کسی اور سمت سے نہیں آتی بلکہ یہ اس کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا صلہ پا لیتا ہے اور اس کے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان و کفر' نیکی و بدی اور خیر و شر کا راستہ بتا دیا تو اب اس آیت کریمہ کا معنی یہی ہو گا کہ انسان کو جب ہر دو راستے بتا دیئے تو اب اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اگر کوئی عمل شر کو سرانجام دے تو وہ اس کے مطابق سزا پائے گا کیونکہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے گا۔

دوسرا معنی: شرعی ذمہ داری کا تصور

اس آیت کریمہ میں انسان پر جو حرف ''ل'' آیا ہے یہ بمعنی ''علیٰ'' ہے۔ اس اعتبار سے اس کا معنی یوں ہو گا کہ ''انسان پر اس شئے کی ذمہ داری ہے اور وہ اس شئے کا جوابدہ ہے جس کی اس نے کوشش کی'' یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ بدکاری کوئی کرے اور پکڑ کسی اور کو لیا جائے' چوری کوئی کرے مگر گرفتار کسی اور کو

کر لیا جائے گناہ کوئی کرے مگر جواب کسی اور سے طلب کیا جائے۔

یعنی انسان جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اسی پر اس کو جوابدہ ہونا ہے۔ یہاں شرعی ذمہ داری اور شرعی جوابدہی کے تصور کو بیان کیا جا رہا ہے یہ اس لئے کہ دوسری شریعتوں میں تھا کہ عمل کوئی اور کرتا تھا سزا کسی اور کو ملتی تھی۔ مغربی قوانین میں بھی بڑی دیر تک یہ تصور رائج رہا کہ کسی ایک کے جرم پر دوسرے کو سزا ہو جاتی' بیٹے کے جرم پر باپ کو پکڑ لیا جاتا۔ قرآن پاک نے ایسے تمام ناجائز اور ناروا تصورات کو رد کر دیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرہ' ۲: ۲۸۶)

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

اور حضور نبی کریم ﷺ نے خطبہ جمعۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

الا کل شئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع۔ (الصحیح لمسلم' ۱: ۳۹۷)

سنو زمانہ جاہلیت کی ہر چیز (ہر ظالمانہ رسم آج) میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہے۔

پس اس دوسرے معنی کی رو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے کسی اور کے عمل کی اس پر ذمہ داری نہیں ہو گی۔

تیسرا معنی: نیت پر عمل کا دارومدار

اس آیت کے تیسرے معنی کو بہت سے مفسرین نے بیان کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہاں پر ''**ماسعی**'' سے مراد انسان کی کوشش ہے

اور کوشش کا انحصار اس کی نیت پر ہوتا ہے‘‘۔ حضرت عمر فاروقؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ وسلم ﷺ نے فرمایا کہ:

انما الاعمال بالنيات و انما لامرئ ما نوى فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها فهجرته الى ما هاجر اليه۔

(صحیح البخاری، ۱:۲)

بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ چنانچہ جس نے ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی تو اس کی ہجرت اس کے لئے ہے جس مقصد کے لئے اس نے ہجرت کی۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان جس کام کو کرنے کی نیت کرے گا اس نیت کا اس کو پھل مل جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ہماری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ ہمارے مال و دولت کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظر تو ہمارے دلوں پر ہوتی ہے کہ عمل کے دوران ہماری نیت کیسی ہے۔ نیت اچھی ہو تو وہ شخص کتنا غریب ہی کیوں نہ ہو وہ عرش کے سایہ میں بٹھا دیا جائے گا اور اگر نیت بد ہو تو چاہے وہ شخص کتنا بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو ذلت کے گڑھے میں گرا دیا جائے گا۔ ہر عمل کا دارومدار اس کی نیت پر ہے اس لئے فرمایا کہ آدمی جو نیت کرتا ہے اس کا پھل پا لیتا ہے۔ جس شخص نے اپنا وطن، اپنا کاروبار، اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر چھوڑا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے اپنے عمل کا پھل پا لیتا ہے اور جس نے اپنا گھر بار دنیا کے حصول کی خاطر چھوڑا اسے اس کے عمل کا اجر دیا جائے گا اور جس نے کسی عورت کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑا اسے

اس کی نیت کا پھل دیا جائے گا۔ یعنی اگر نیکی کی نیت کرے گا تو ثواب پائے گا۔ اور اگر برائی کی نیت کرے گا تو اس کا بدلہ بھی مل جائے گا۔

حسد ایک لعنت

جو دوسرے کا برا سوچتا ہے اسی کا برا ہوتا ہے اس لئے کسی سے حسد، بغض اورعناد رکھنا یا کسی کی اچھائی یا بلندی اور عزت و عظمت پر یا کسی کے مال و دولت یا علم وفضل پر حسد کرنا حاسد کو تو عمر بھر حسد کی آگ میں جلاتا ہے مگر جس سے حسد کیا جائے گا اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خدا کی ذات اپنے دست قدرت سے اس کو حاسد کی شر سے محفوظ رکھے گی۔ بہت سے لوگ نیک اعمال کرتے ہیں۔ اچھائیاں کرتے ہیں، بھلائیاں کرتے ہیں اور یوں اچھائیوں اور بھلائیوں کے انبار ان کی زندگیوں میں لگ جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم بہت نیکوکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ کوئی برائی نہیں کی لیکن بدقسمتی سے ان کے دلوں میں دوسروں کے خلاف حسد اور بغض ہوتا ہے لہٰذا حسد کی بنا پر ان کی نیکیوں کے سارے پہاڑ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ وہ تہجدیں، تسبیح وتہلیل اور ساری نیکیاں بھی گئیں اور کوئی فائدہ بھی نہ ہوا۔

ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا ہوگا کہ کہیں ہمارے من دوسروں کے لئے حسد کی لعنت میں مبتلا تو نہیں۔ اگر اپنے من کو ٹٹولیں تو ہمیں اندر کا انسان بتا دے گا کہ کس کس کے لئے ہم جلتے ہیں اور کس کس کے لئے ہم مخلص ہیں۔ ہر کوئی دوسروں کو دعا تو دیتا ہے مگر دعا دینے والے اپنے اندر کے انسان کا محاسبہ بھی کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ زبان سے دکھلاوے کی دعا کر رہا ہے۔ لہٰذا اپنی نیت کو ہمیشہ پاک رکھنا چاہیے اور ہر شخص کے لئے اچھا سوچنا چاہیے کیونکہ جو اللہ کی

مخلوق کے لئے اچھا سوچتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے اچھا سوچتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

الخلق عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ (مسند ابی یعلیٰ ٦: ٣٣١٥)

(یہ ساری) مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو اس کنبے میں سے وہ بندہ زیادہ پسند ہے جو اس کے کنبے کو فائدہ دینے والا ہے۔

لٰہذا آیت کریمہ کا تیسرا معنی یہ ہوا کہ کوئی شخص کوئی بھی عمل جس نیت سے کرتا ہے اسے اس کی نیت کا پھل مل جاتا ہے۔ نماز‘ روزہ اور کثرت عبادت اگر حق بندگی ادا کرنے کی نیت سے ہوگی تو اس کا اجر ملے گا اور اگر نمازی‘ پرہیز گار اور عبادت گزار کہلانے کی نیت سے ہوگی تو ریا کاری تصور ہوگی اور اسے اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

چوتھا معنی: عدل کا اصول

اس معنی کے لحاظ سے اس میں اللہ کا اصول عدل بیان ہوا ہے۔ اللہ کا یہ نظام قدرت دو اصولوں پر چلتا ہے۔ ایک اس کا اصول عدل ہے اور دوسرا اصول فضل ہے۔ اصول عدل ہر ایک کے لئے یکساں ہے اور اسی اصول کو یکسانیت کے ساتھ چلانا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھا ہے اور فضل کا اصول یہ ہے کہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

عدل پر ہر کسی کا حق ہے اور عدل کے مقام پر انسان اللہ کے لئے کود پڑتا ہے مگر محبت اور پیار کے مقام میں اپنی غلط فہمی کے باعث کوئی شئے اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ سوال کر سکتا ہے اور اللہ کی طرف سے اس کو ایمان عطا کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

اصول عدل یہ ہے کہ انسان جو محنت کرے گا اس کا پھل ضرور پائے گا۔ جس شئے کے لئے محنت نہیں کرے گا اس کا پھل نہیں ملے گا۔ یہ اللہ کا نظام عدل ہے لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا کہ لوگو! اگر تم نے محنت کی تو اس محنت کے پھل کی توقع رکھنا اور اگر کسی کام کے لئے تم نے محنت نہ کی تو اس کے پھل کے لئے توقع اور امید نہ رکھنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط (النساء، ۴:۳۲)	مردوں کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ محنت کریں اور عورتوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ محنت کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگو! دوسروں کو خوشحال زندگی بسر کرتا دیکھ کر حسد کی آگ میں نہ جلا کرو۔ ان کو یہ نعمت میں نے دی ہے اور یہ ان کی محنت کا ثمر ہے۔ تم جلنے کی بجائے محنت کرو تمہیں بھی ساری کائنات کی پست و بالا کی بلندیاں عطا کر دی جائیں گی لیکن اگر تم محنت ہی نہ کرو، کوشش ہی نہ کرو تو تمہیں بلندی عطا نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا ○ (الفتح، ۴۸:۲۳)	اللہ کی سنت اور اس کے طریقہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ○

اصول فضل کے تحت استثنا

اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ فضل کا معاملہ کرے تو یہ اس کی مرضی ہے اس سے کوئی سوال

نہیں کرسکتا۔ چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اصول تخلیق میں استثنائی صورت

انسان کو پیدا کرنے میں اللہ کا اصول یہ ہے کہ اللہ انسان کو نطفے سے پیدا کرتا ہے اور مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا نظام عدل ہے جو ہر کسی کے لئے یکساں ہے کیونکہ اس کا تخلیق کا ایک پورا ضابطہ ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حوا علیہا السلام کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے پیدا فرمایا حالانکہ کوئی مخلوق پتھروں سے پیدا نہیں ہوتی لیکن چونکہ اصول بھی اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں لہٰذا استثنا بھی وہی کرتا ہے۔

۲۔ اصول مسافت میں استثنائی صورت

اصول یہ ہے کہ جو شخص کسی ایک جگہ و مقام پر موجود ہو وہ ہزاروں میل کی مسافت چشم زدن میں طے نہیں کرسکتا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری آصف برخیا نے آنکھ جھپکنے میں ملکہ سبا بلقیس کا تخت لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا، یہ استثنا ہے۔

۳۔ سورج کے مقررہ راستے میں تبدیلی

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِo (یٰسین، ۳۶: ۳۸)	اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا چلا جاتا ہے۔ یہ اس صاحب قدرت اور باخبر کا ایک مقرر کیا ہوا اندازہ ہےo

یعنی سورج کے راستے مقرر ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے دائیں بائیں نہیں جا

سکتا۔ یہ اللہ کا نظام عدل ہے مگر وہ چاہے تو اپنے سات ولیوں یعنی اصحاب کہف کی خاطر تین سونو سال تک چڑھتے اور ڈوبتے سورج کا راستہ بدل دے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَرَی الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ کَھۡفِھِمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَ اِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُھُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ ھُمۡ فِیۡ فَجۡوَۃٍ مِّنۡہُ ؕ (الکہف ۱۸: ۱۷)	(محبوب!) آپ دیکھتے ہیں کہ جو میرے بندے ہیں ان کو گرمی کی تپش سے بچانے کے لئے جب سورج چڑھتا ہے تو غار کی دائیں طرف ہو جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو غار کی بائیں طرف ہو جاتا ہے۔

یہ بھی استثنا ہے یعنی وہ جس کے لئے چاہے عدل کا اصول اپنا لے اور جس کے لئے چاہے اصول فضل کے تحت اس پر فضل کر دے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (المائدہ ۵: ۵۴)	یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہے۔

اس کے فضل کے حوالے سے کوئی اس سے نہیں پوچھ سکتا کہ باری تعالیٰ! اس جاگنے والے کو تو نے یہ عطا کیا اور سوئے ہوئے کو تو نے یہ دیا۔ یہ اس کے فضل کے فیصلے ہیں۔ عدل و انصاف میں کمی بیشی نہیں ہوتی، ہر کسی کو اس کی محنت کا صلہ پورا پورا ملتا ہے لیکن اگر اس کی نظر انتخاب کسی پر پڑ جائے تو عدل میں جاگنے والے کو ایک قدم

بڑھا دیا جاتا ہے مگر فضل پہ آ جائے تو سونے والے کو لامکاں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ؕ ۝ (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)

اللہ جس کو چاہتا ہے (راہ حق کے لئے) منتخب فرما لیتا ہے اور ہر شخص جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے وہ ہدایت عطا فرماتا ہے O

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے عدل کا نظام یہ ہے کہ جو کوئی مجھ تک آنا چاہتا ہے اس کو اپنا راستہ بتا دیتا ہوں کہ میرے بندے! یہ راستہ میری طرف آتا ہے۔ یوں محنت کر اور رفتہ رفتہ میری طرف بڑھتا چلا آ ......! مگر فضل کرنے پر آ جاؤں تو سوئے ہوئے کو لامکاں تک پہنچا دوں۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ

کئی جاگن کئی جاگ نہ جانن کئی جاگدیاں وی سُتے ہُو

کنیاں نوں رب سُتیاں ملیا کئی جاگدیاں وی گئے رتے ہُو

جب اس کے فضل کی بارش کا وقت آتا ہے تو کوئی بھی اس سے سوال نہیں کرسکتا کہ باری تعالیٰ تو کسی کو تو کوہ طور پر فرما دیتا ہے کہ

لَنۡ تَرٰٮنِىۡ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔

(الاعراف ۷: ۱۴۳)

اور کسی کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے تو خود پیغام بھیجتا ہے اور پھر سارے پردے اٹھا کر اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى‌ۚ ۝ پھر صرف دو کمانوں کے برابر یا اس

(النجم ۵۳: ۹)　　　　سے بھی کم فاصلہ رہ گیاO

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے جتنا چاہے عطا کر دے اس کی اپنی مرضی ہے کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔

اس معنی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن پاک کی اس آیت **(لیس للانسان الا ماسعی)** کا ایصال ثواب سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تعلق رکھا بھی جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ آیت اصول عدل ہی کو بیان کرتی ہے جس کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ انسان جس شئے کے لئے محنت کرے گا اس کا پھل ملے گا اور جس شئے کے لئے محنت نہیں کرے گا اس کا پھل نہیں ملے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ خود عمل کرے اور پھر اللہ سے کہے کہ یا اللہ یہ محنت تو میری ہے مگر اس کا اجر کسی اور کو دے دے تو یہ اتنی بڑی سخاوت' ایثار اور قربانی کی بات ہے کہ اس کے اخلاص کا یہی عمل اس کی دعا کی قبولیت کے لئے کافی ہے۔

کون کمائی کر کے دوسروں کو دیتا ہے؟ لیکن اگر کوئی جان و مال خرچ کرے' محنت کرے' صدقہ و خیرات کرے اور اپنی توانائیوں کو صرف کرے اور پھر چپکے سے ہاتھ اٹھا کر کہہ دے کہ یا اللہ! یہ جو کچھ میں نے کیا ہے یہ سب کچھ اپنے فلاں بندے کی روح کو بھیج دے۔ یہ ہم حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتے ہیں اسے قبول فرما۔ یہ اتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اللہ پاک اس کی برکت سے تمہیں بھی دے گا اور انہیں بھی دے گا اور یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ اصول عدل کے مطابق عمل کرنے والے کو بھی برابر اجر تو مل جائے گا لیکن جس کے لئے وہ ایصال کرے اللہ قادر ہے کہ اسے بھی پہنچا دے۔ پس یہ کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کا مسئلہ ایصال ثواب کے ساتھ کوئی تعارض نہیں۔

باب سوم

اعمال صالحہ کا ایصالِ ثواب

احادیث نبوی کی روشنی میں

اللہ رب العزت کی بخشش وعطا کی کوئی حد نہیں' اس کی رحمت کے سمندر کا کوئی کنارا نہیں وہ اپنے بندوں پر انتہائی شفیق و مہربان ہے اس کے عفو و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا' وہ خدائے رحیم و کریم ہے۔

رب کائنات جو معمولی سی قربانی کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیتا' ایک دانہ کسی کو دیتے ہو تو وہ سات سو (۷۰۰) دانے بنا دیتا ہے۔ جب ایک عمل کر کے تم کسی کو دو گے تو وہ تمہیں بھی عطا کرے گا اور اسے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے جابجا ایصال ثواب کی تلقین فرمائی۔ تاجدار کائنات ﷺ کے ارشادات گرامی میں سے چند ایک ذیل میں دیئے جا رہے ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ایصال ثواب ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ اس کو متنازعہ بنانا محض جہالت ہے اور جہالت کا کوئی علاج نہیں۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ

ان رجلا قال للنبی ﷺ ان امی افتلتت نفسها و اظنها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجران تصدقت عنها قال نعم۔

(صحیح البخاری' ۱:۱۸۶)

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئیں اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں۔ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

۲۔ عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ اذا تصدق أحدکم

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب

بصدقة تطوعاً فيجعلها عن ابويه فيكون لها اجرها ولا ينقص من اجره شيئا۔

(شرح الصدور ۱۲۹۔ بحوالہ طبرانی فی الاوسط)

کوئی شخص نفلی صدقہ کرے اور اس کو اپنے والدین کی طرف سے کر دے تو اس کے والدین کو اس کا اجر ملتا ہے اور اس کے اجر سے بھی کچھ کمی نہیں ہوتی۔

۳۔ حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث پاک میں حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

ما من اهل بيت يموت منهم ميت فيتصدقون عنه بعد موته الا اهدها اليه جبرئيل عليه السلام على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب قبر العميق هذه هدية اهداها اليک اهلک فاقبلها فيدخل عليه فيفرح بها و يستبشر و يحزن جيرانه الذين لا يهدى اليهم شيئى

(المعجم الاوسط للطبرانی، ۷:۲۶۰، ح:۶۵۰۰)

جب اہل خانہ میں کوئی اپنے فوت شدہ عزیز کے لئے صدقہ و خیرات کرکے ایصال ثواب کرتا ہے تو اس کے اس ثواب کا تحفہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خوبصورت تھال میں رکھ کر اس قبر والے کے سرہانے جا کر پیش کرتے ہیں کہ تیرے فلاں عزیز نے یہ ثواب کا تحفہ بھیجا ہے تو اسے قبول کر۔ وہ شخص اسے قبول کر لیتا ہے۔ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور دوسرے قبر والوں کو خوشخبری سناتا ہے اور اس کے پڑوسیوں میں سے جن کو اس قسم کا کوئی تحفہ نہ ملا ہو وہ غمگین ہوتے ہیں۔

۴- عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ماالميت فی قبره الاشبه الغريق المتغوث ينتظره دعوة من أب أو ام أو ولد أو صديق ثقة، فاذا لحقته كانت احب اليه عن الدنيا و ما فيها وان الله ليدخل علی اهل القبور من دعاء أهل الدور، أمثال الجبال، وأن هدية ألاحياء للاموات، الاستغفار لهم، والصدقة عنهم۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، ۴: ۳۹۱۔ حدیث رقم، ۶۶۶۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے جو اپنے ماں باپ، بھائی یا کسی دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بے شک اہل دنیا کی دعا سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ مردوں کے لئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کے لئے استغفار اور صدقہ کرنا ہے۔

ایک روایت میں حضور نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی کہ جب بھی نفلی عبادت کیا کرو تو اپنے والدین اور بزرگوں کو بھی اس کے ثواب میں شامل کرو۔ اس سے تمہارے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ ذیل میں ہم چند ایسی روایات بیان کریں گے جن میں اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل صالح میں کس طرح دوسرے کو شامل کرسکتا ہے۔

۱- کسی غیر کی طرف سے نفل نماز ادا کرنا

۵- ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسجد عشار جو بصرہ کی ایک بستی ابلہ میں واقع ہے سے ایسے شہیدوں

کو اٹھائے گا کہ شہدائے بدر کے سوا کوئی ان کے ساتھ کھڑا نہ ہو گا۔ ایک وفد وہاں جانے لگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت حرم کعبہ میں تھے اور وہ نہیں جا سکتے تھے لہٰذا آقائے دوجہاں ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے جو مسجد عشار میں میرے لئے دو چار رکعتیں پڑھے اور پڑھ کر کہے کہ

هذه لابی هریرة۔ یہ (دو نفل) حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، ۲: ۲۴۴)

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نفل نماز پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یہ جائز عمل ہے۔ بزرگوں کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کو ایصال ثواب کرنے کے لئے نوافل پڑھا کرتے تھے۔

۲- روزے کا ایصال ثواب

۶- نفل نماز کی طرح نفل روزہ کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے شرعاً یہ امر جائز ہے۔ امام دارقطنیؒ روایت کرتے ہیں:

عن عائشة زوج النبی ﷺ قال ان رسول الله ﷺ قال من مات و علیه صیام صام عنه ولیه هذا اسناد صحیح۔

(سنن دار قطنی، ۲: ۱۹۵)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے (یعنی روزوں کا فدیہ دے) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۷- عن ابن عباس قال جاء امرأة الی النبی ﷺ فقالت ان اختی ماتت و علیھا صوم، قال لو کان عنھا دین أکنت تقتضیه؟ قالت نعم قال فحق اللہ احق

(سنن دارقطنی، ۲: ۱۹۵)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک عورت نے آ کر کہا کہ میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر روزے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس پر قرضہ ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔

۳- حج کا ایصال ثواب

فوت شدہ کی طرف سے حج ادا کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث مروی ہے:

۸- عن ابن عباسؓ ان امرأة عن جھینة جأت الی النبی ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج حتی ماتت افاحج عنھا قال نعم حجی عنھا ارأیت لو کان علی امک دین اکنت قاضیة اقضوا الذی له فان اللہ احق بالوفاء۔

(صحیح البخاری، ۱: ۲۵۰)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جھینہ کی ایک عورت آئی اور اس نے کہا میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہوگئی۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو۔ یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ (اس نے کہا ہاں،

آپ ﷺ نے فرمایا پھر) اللہ کا قرض (بھی) ادا کرو کیونکہ وہ ادا کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔

اس حدیث پاک میں حضور ﷺ نے دلیل بھی عطا کر دی کہ کوئی کسی کی طرف سے قرض کی ادائیگی جیسا عمل کرے تو وہ قرض ادا ہو جاتا ہے تو نیکی کا عمل کیوں نہیں ادا ہوسکتا۔

۹- والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرنے کا اجر بیان فرماتے ہوئے تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا:

من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب الله له عتقا من النار۔

(شرح الصدور: ۱۲۹۔ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان)

جس نے اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کی طرف سے حج کیا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا۔

یہ بہت بڑی صلہ رحمی ہے اور بہت بڑی خدمت ہے کہ اولاد والدین کی طرف سے حج کا فریضہ ادا کرے اور دیگر صدقات وغیرہ بھی والدین کی طرف سے ادا کرے۔

۴- قربانی کا ایصال ثواب

۱۰- حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عمر بھر کم وبیش ہر سال دو قربانیاں دیں۔ ایک قربانی اپنی اور اپنے اہل بیت کی طرف سے اور دوسری قربانی اپنی امت کی طرف سے۔ قربانی دیتے ہوئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے

اللھم تقبل من محمد و آل محمد و من امة محمد۔ (سنن ابی داؤد، ۲: ۳۰)

اے اللہ! محمد (ﷺ)، آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرما۔

آپ ﷺ کی اس کرم نوازی کی وجہ سے اب تاجدار کائنات ﷺ کا ایک حق امت پر یہ بھی ہے کہ جو لوگ صاحب ثروت ہیں انہیں چاہیے کہ جب کبھی قربانی دیں تو ایک قربانی آقائے دوجہاں ﷺ کی طرف سے بھی کریں تاکہ کم از کم سنت رسول ﷺ پر عمل ہو سکے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تو قیامت تک جو امت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی کی طرف سے بھی قربانی کی۔ گویا ہم میں سے ہر ہر فرد کی طرف سے آقائے دوجہاں ﷺ قربانی ادا فرماتے تھے۔

۱۱- حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ عمر بھر دو قربانیاں دیتے رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ دو قربانیاں کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

ان رسول اللہ ﷺ اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه۔ (سنن ابی داؤد، ۲: ۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ پس میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

۵- تلاوت قرآن مجید کا ایصال ثواب

کلام الٰہی کی بڑی فضیلت اور شان ہے تلاوت قرآن مجید کی وجہ قاری کو یک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں مل جاتی ہیں۔ تو جو شخص تلاوت کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچاتا ہے تو اللہ رب العزت اس کا ثواب دوسروں کو دیتا ہے اور پڑھنے والے کو بھی پورا پورا ثواب ملتا ہے۔

۱۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ قال من دخل المقابر فقرأ سورة یٰسین خفف اللہ عنھم و کان لہ بعدد من فیھا حسنات۔

(شرح الصدور: ۱۳۰)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گیا اور سورہ یٰسین تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر عذاب میں تخفیف فرما دے گا جبکہ پڑھنے والے کو بھی اس کے اندر جتنی نیکیاں ہیں مل جائیں گی۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

سمعت النبی ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تجسوہ و اسرعو بہ علی قبرہ والیقراء عند راسہ فاتحہ الکتاب و عند رجلیہ بخاتمہ البقرہ فی قبرہ۔

(شعب الایمان للبیہقی، ۷:۱۶، حدیث رقم، ۹۲۹۴)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے روک نہ رکھو بلکہ اسے قبر کی طرف جلدی لے جاؤ اور اس کی قبر پر اس کے سر کی جانب سورہ فاتحہ اور اس کی پائنتی کی جانب سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکوۃ المصابیح کی شرح اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و اختلاف کردہ اند درگر دانیدن ثواب قرآن برائے میت و وصول ثواب آں بدوقول و صحیح وصول اوست۔

میت کے لئے قرآن کا ایصال ثواب کرنے اور اسے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔

پھر آگے اسی مقام میں قبر پر قرآن خوانی کے جواز کے حوالے سے فرماتے ہیں:

و مکروہ نیست قرات قرآن بر قبر و ھو الصحیح ذکرہ شیخ ابن الھمام۔

اور قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے یہی صحیح ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمامؒ نے ذکر کیا ہے۔

(اشعة اللمعات ' ۱ : ۶۹۷)

۶- تسبیح و تکبیر کا ایصالِ ثواب

۱۴- عن جابربن عبداللہ قال خرجنا مع رسول اللہ یوما الی سعد بن معاذ حین توفی فلما صلی علیہ رسول اللہ ﷺ و وضع فی قبرہ و سوی علیہ سبح رسول اللہ ﷺ فسبحنا طویلاً ثم کبر فکبرنا فقیل یارسول اللہ ﷺ لم سبحت و کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرج اللہ عز و جل عنہ

(مسند احمد بن حنبل، ۳: ۳۶۰)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا کہ حضرت سعد بنؓ معاذ فوت ہو گئے تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ ان کی طرف گئے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھ لی اور انہیں قبر میں رکھ دیا گیا اور قبر کو برابر کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے تسبیح فرمائی۔ پس ہم نے بھی طویل تسبیح کی۔ پھر آپ ﷺ نے تکبیر فرمائی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ اس پر عرض کی گئی یارسول اللہ! آپ نے

تسبیح و تکبیر کیوں فرمائی؟ ارشاد ہوا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی۔ ہم نے تسبیح و تکبیر کی یہاں تک کہ اللہ نے اس پر فراخی فرما دی۔

۷- پانی کا کنوں ایصال ثواب کا باعث

۱۵- روایات میں ہے کہ:

عن سعد بن عباده انه قال یارسول اللہ! ان ام سعد ماتت فای صدقة افضل قال الماء فحفر بئراً و قال هذه لام سعد

(سنن ابی داؤد ا:۳۴۳)

حضرت سعد بن عبادہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ﷺ سعد کی والدہ فوت ہو گئیں۔ پس کس چیز کا صدقہ کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی کا۔ انہوں نے کنواں کھدوا یا اور کہا یہ (کنواں) سعد کی ماں کے لئے ہے۔

کنواں کھدوانے کا حکم سرکار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس لئے دیا کہ اس وقت مدینے میں میٹھے پانی کی قلت تھی اور میٹھا پانی مسلمانوں کو نہیں ملتا تھا۔ میلوں کا سفر کر کے چھوٹی چھوٹی مشکیں پانی کی بھر کے لائی جاتی تھیں۔ اس دوران حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے میٹھے پانی کا ایک کنواں ایک یہودی سے خرید کر وقف کر دیا جس سے مسلمانوں کو آسانی ہو گئی۔

ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جن کے والدین' بزرگ اور عزیز و اقارب وصال کر چکے ہیں وہ بعد از انتقال ان کی خدمت کس طرح بجالا سکتے ہیں۔

والدین کے اولاد پر بڑے احسانات ہیں۔ بعد از وصال ان کو یاد رکھنا اور ان کے احسان کا بدلہ احسان سے چکانا اولاد کی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری ایصال ثواب کی صورت میں ہی نبھائی جا سکتی ہے۔

آج کے دور میں بھی لوگ اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں، عوامی گذرگاہوں پر اور جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے لئے الیکٹرک واٹر کولر اور سبیلیں لگاتے ہیں یہ عمل صالح باعث ایصال ثواب ہے اور اس کی اصل یہی حدیث پاک ہے۔

۸- میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی

١٦- عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ كان يوتى بالرجل المتوفى عليه الدين فيقول هل ترک لدينه من قضاء فان حدث انه ترک وفاء صلى عليه والا قال للمسلمين صلوا على صاحبكم فلما فتح الله عليه الفتوح قام فقال انا اولى بالمؤمنين من انفسهم فمن توفى من المومنين و ترک دينا فعلىّ قضاء ه ومن ترک مالا فهو لورا ثته قال ابو عيسى هذا

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اگر ایسا شخص لایا جاتا جو قرض چھوڑ کر مرتا تو آپ ﷺ پوچھتے کیا اس نے ادائیگی کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ اگر کہا جاتا جی ہاں! اس نے چھوڑا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ صحابہ کرامؓ سے فرماتے اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا میں مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں لہٰذا جو مسلمان

حديث حسن صحيح۔

(جامع الترمذی، ۱: ۱۲۷)

قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اگر مال چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے جنازہ لایا گیا۔ چونکہ وہ شخص مقروض تھا لہٰذا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو اس کا قرض اتارے۔ کسی صحابیؓ نے وعدہ کیا اور آپ ﷺ نے جنازہ پڑھا۔ معلوم ہوا کہ دوسرے کے عمل کا ثواب پہنچا ہے کیونکہ میت خود تو قرض ادا نہیں کر رہی بلکہ اس کی طرف سے ادا کیا جا رہا ہے۔

۹۔ پھلوں کے باغ کا ایصال ثواب

۱۸۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ

عن ابن عباس ان سعد بن عبادة توفيت امه وهو غائب عنها فقال يارسول الله! ان امي توفيت و انا غائب عنها اينفعها شيئى ان تصدقت به عنها قال نعم قال فاني اشهدک ان حائطي المخراف صدقة عليها۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ موجود نہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہو گئیں۔ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا

(صحیح البخاری، ۱: ۳۸۶) ہاں۔ انہوں کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کردیا۔

۱۰- غلام کی آزادی برائے ایصال ثواب

حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں کو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی طرف سے رہا کرنے کی بھی تلقین فرمائی لہٰذا روایات میں آتا ہے کہ:

۱۹- حضرت محمد باقرؒ بیان فرماتے ہیں کہ حسنین کریمینؓ نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا تاکہ ان کی روح کو ثواب پہنچے۔

(شرح الصدور: ۱۲۹)

۲۰- حضرت قاسم بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا۔ (ایضاً)

سنت مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ اپنے والدین، بزرگ، اساتذہ اور عزیز و اقارب کی بخشش و مغفرت اور بلندی درجات کے لئے ایصال ثواب کے جائز طریقوں میں سے جو بھی طریقہ اپنایا جائے وہ درست ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور نفع پہنچاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہماری طرف سے نیکی اور بھلائی کے مستحق بھی سب سے زیادہ یہی لوگ ہیں جو ہم سے پہلے مہلت عمل ختم کرکے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اگرچہ موت کے ساتھ نامۂ اعمال تو بند ہو جاتا ہے لیکن اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور اس کی رحمت گنہگار بندوں کی بخشش کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔

باب چہارم

ایصالِ ثواب کے جائز طریقے اور مروجہ افراط و تفریط

ذیل میں ہم افراط اور تفریط کی نشاندہی کرتے ہوئے ایصال ثواب کی مختلف صورتوں کی صحیح شرعی شکل کو بیان کریں گے۔

یاد رہے کہ ہر دور کی امت اور ملت میں دو طرح کی خرابیاں بنیادی طور پر موجود رہی ہیں۔

۱- افراط ۲- تفریط

قرآن مجید نے اعتدال اور توازن کو حق کی علامت قرار دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت بھی امت وسط ہے یعنی اعتدال اور توازن کی راہ پر چلنے والی امت ہے۔ اس اعتدال میں زیادتی کی جائے، ناجائز اضافے کئے جائیں تب بھی گمراہی، ضلالت، بگاڑ اور خرابی کے پیدا ہونے کا امکان ہے اور اس کے اصل محل سے اسے گھٹایا جائے، اس میں کمی کی جائے اور اس کے بعض معاملات کا انکار کیا جائے تو اس سے بھی شرعی تعلیمات میں خرابی، بگاڑ، گمراہی اور ضلالت پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید کی سورہ فاتحہ میں جہاں انسان کو راہ ہدایت طلب کرنے کے لئے جس دعا کی تلقین کی ہے وہاں فرمایا کہ اللہ کے بندے! تو یہ دعا کر کہ:

الْمُسْتَقِيْمَ O ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

(الفاتحہ، ۱:۵)

قرآن مجید نے سیدھی راہ اور راہ ہدایت کو معین، مشخص اور متشکل کر دیا۔ اس صورت میں جبکہ قرآن و سنت کی راہ کی نسبت جب ہر کوئی دعویٰ کر رہا ہو کہ میں راہ حق پر ہوں، میں قرآن و سنت کی راہ پر ہوں اور الجھاؤ پیدا ہو جائے تو قرآن مجید نے اس الجھن کا حل بتا دیا۔ فرمایا تم صرف اپنی عقل و خرد سے فیصلہ نہ کیا کرو، خود

کسی نتیجہ پر اپنی خواہش نفس اور اپنی خود ساختہ غلط اور بے معنی قیاس آرائیوں کی بنا پر پہنچنے کی کوشش نہ کیا کرو بلکہ فرمایا :

فَسۡئَلُوۡا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَo

سو تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔

(النحل، ۱۶: ۴۳)

اہل ذکر وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو علم و عرفان کا چشمہ بنا دیا ہے کیونکہ سیدھی راہ وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ، نیکوکار، برگزیدہ انبیاء، صدیقین، شہداء، اولیاء اور صالحین تسلسل سے چلتے آ رہے ہیں۔

اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں لیکن ان میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ **صراط مستقیم** یعنی نیکوکار، برگزیدہ بندوں کی راہ وہ راہ ہے جس پر شیطان حملہ آور ہونے کا گمان بھی نہیں کرسکتا حالانکہ اس نے بارگاہ رب العزت میں ہر فرد بشر کو اس کی راہ ہدایت سے بھٹکا دینے کی قسم کھائی اور کہا:

اَجۡمَعِيۡنَo

اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَo

(صٓ، ۳۸: ۸۲۔۸۳)

تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گاO سوائے ان میں سے تیرے مخلص بندوں کےO

المخلصین سے مراد وہ لوگ ہیں جو نفس کے چنگل سے آزاد ہو چکے ہیں اور ولایت و معرفت اور روحانیت کی راہ پر ثابت قدمی سے چل رہے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ باری تعالیٰ میں ہر کسی پر حملہ کروں گا، ہر کسی کو گمراہ کرنے کی سعی کروں گا اور کامیابی بھی حاصل کروں گا لیکن جو تیرے محبوب ولی اور تیرے برگزیدہ بندے ہیں ان کی راہ پر حملہ کرنے کا بھول کر بھی گماں نہ کروں گا۔ انہیں گمراہ نہ کرسکوں گا۔ اس لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا لوگو! راہ ہدایت کا خود اپنی دانست سے تعین

کرنے کی بجائے خاموشی سے میرے مقبول بندوں کے نقش قدم پر چلتے آؤ کیونکہ اپنی دانست سے تعین کردہ راہ میں شیطان کے حملہ سے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ میرے برگزیدہ بندوں کا دامن تھام لو' جس راہ پر وہ چل دیئے ہیں وہاں شیطان حملہ آور نہیں ہوسکتا۔ جس طرح وہ شیطان کے دست تذلل سے بچ گئے اسی طرح تم بھی شیطان کی گمراہیوں سے بچ جاؤ گے کیونکہ نیک لوگوں کی راہ اعتدال اورتوازن کی راہ ہے۔ یہی حق و ہدایت کی راہ ہے اس لئے ساتھ ہی فرمایا **غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ** باری تعالیٰ! ان کی راہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کی راہ جو گمراہ ہوئے۔

ناجائز اضافوں سے بھی دین خراب ہوتا ہے اور ناجائز کمی سے بھی دین خراب ہوتا ہے اس لئے فرمایا باری تعالیٰ ہمیں اعتدال کی راہ دکھا' سیدھی راہ دکھا۔ ہمیں اس راہ پر نہ چلا جس میں افراط ہے اور نہ اس راہ پر چلا جس میں تفریط ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں ان دو شرائط کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک طبقہ سے مراد جن پر غضب ہوا یہودی ہیں اور دوسرا طبقہ جو گمراہ ہوا اس سے مراد عیسائی ہیں اور اس کی وضاحت یوں کی کہ ایک افراط کا شکار ہو گیا اور اصلِ دین میں اضافے کرنے لگا۔ ایک طبقہ تفریط کا شکار ہو گیا اور وہ اصلِ دین میں کمی کرنے لگا۔

آج امت مسلمہ میں بھی دو طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ مقام افسوس یہ ہے کہ اس امت کا ایک دھڑا ایک طرف زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے اور دوسرا دھڑا دوسری طرف زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ہمارے اندر کچھ لوگ وہ ہیں جو شریعت کے اندر ہی یا تو افراط کرتے ہیں' زیادتی سے کام لیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تفریط کرتے ہیں یعنی کمی سے کام لیتے ہیں۔ تفریط کرنے والا شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ صرف افراط کرنے والا گمراہ ہے اور افراط کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ صرف

تفریط کا مرتکب گمراہ ہے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ زیادتی کرنا اور کمی کرنا دونوں گمراہی کا سبب ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس راہ کو راہ ہدایت قرار دیا وہ راہ اعتدال و توازن ہے اور اسلام بھی معتدل اور متوازن دین کا نام ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم ایصال ثواب کے مسئلے پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ایصال ثواب کے جائز طریقوں میں ہمیں افراط وتفریط کی دونوں صورتیں کثرت کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کی بطور نمونہ نشاندہی کی جا رہی ہے تا کہ صحیح صورت واضح ہو جائے۔

۱۔ایصال ثواب کے مروجہ جائز طریقے :

۱- پہلا طریقہ : ایصال ثواب کا سب سے پہلے مسئلہ اس وقت آتا ہے جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ہمارا کوئی عزیز، کوئی بزرگ، کوئی چھوٹا یا بڑا شخص انتقال کر جاتا ہے تو پھر اس کے انتقال کے بعد تین روز تک تعزیتی نشست کرتے ہیں اور تعزیتی نشست کا تین روز تک اہتمام کرنا سنت ہے لہذا یہ غلط فہمی بھی ذہنوں میں نکل جائے کہ تعزیت کے لئے بیٹھنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ سنت ہے اور آقائے دو جہاں ﷺ کے عمل مبارک سے ثابت ہے صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب احادیث کی روایت ہے:

عن عائشة قالت لما جاء النبی ﷺ قتل ابن حارثه و جعفر و ابن رواحه جلس یعرف فیه الحزن و اناانظر من صائر الباب یعنی شق الباب۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ (مسجد

(صحیح البخاری‘۱:۱۷۳) میں ان کی تعزیت کے لئے) تشریف فرما ہوگئے۔ اس وقت آپ ﷺ میں غم کی علامت نمایاں تھی اور میں دروازے کے شگاف سے دیکھ رہی تھی۔

صحابہ کرام بھی تین دن تک تعزیت کرتے تھے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع فرمایا سوائے اس عورت کے کہ جس کا شوہر فوت ہوجائے تو وہ عدت کے ایام (۴ ماہ ۱۰ دن) میں سوگ منائے۔

ارشاد گرامی ہے:

عن ام عطیه ان النبی ﷺ قال لا تحد المراة فوق ثلث الاعلی زوج فاتها تحد علیه اربعة اشهرو عشراً۔

(سنن ابی داؤد‘۱:۳۲۲)

حضرت امام عطیہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورت تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے سوائے اپنے فوت شدہ شوہر کے کہ اس کا سوگ چارہ ماہ دس دن منایا جائے۔

ہمارے ہاں معمول یہ ہے کہ تیسرے دن تعزیت کے اختتام کے وقت ہم ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں‘ قرآن خوانی کرتے ہیں‘ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس کو قل خوانی کا نام دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اس کو دعائے خیر کا نام دیتے ہیں۔ اس کو قل خوانی کہہ لیجئے یا دعائے خیر کہہ لیں‘ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں نام جائز ہیں۔ بدقسمتی ہماری یہ ہے کہ ہم اصل مسئلہ سے صرف نظر کر کے ناموں پر ہی دنگافساد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔قل خوانی سے مراد میت کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کی تقریب سعید کا اس طرح اہتمام کرنا کہ میت کے عزیز

واقارب اور دوست احباب اکھٹے ہوکر تلاوت کلام مجید کریں اور آخر میں قرآن مجید کے چاروں قل سورہ کافرون، سورہ اخلاص، سورہ الفلق، سورہ الناس، سورۃ الفاتحہ اور سورہ بقرہ کی مخصوص آیتوں کی تلاوت کی جائے اسی تقریب قرآن خوانی کو ختم شریف کہتے ہیں اور ختم قرآن کے موقع پر اس طرح کے اجتماع کا اہتمام کرنا شرعا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام، تابعین اور اکابرین امت کا معمول رہا ہے امام نووی شارح صحیح مسلم بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی داؤد نے حضرت قتادۃؓ جو جلیل القدر تابعی ہیں سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

کان انس بن مالک اذا ختم القرآن جمع اهله و دعاء له۔ (کتاب الاذکار للنووی، ۹۷)	حضرت انس بن مالک جب قرآن پاک ختم کرتے تو اپنے اھل عیال کو جمع کرتے اور دعا فرماتے۔

امام نوویؒ نے اسی باب میں مزید اکابرین کا بھی ذکر کیا ہے جن کے ہاں ختم قرآن کا اجتماعی طور پر اہتمام اور اس موقع پر دعا کرنے کا معمول تھا۔ حضرت انسؓ کے ہاں تو ختم قرآن کے اہتمام کی یہ حالت تھی:

عن ثابت البنانی قال کان انس بن مالک اذا اشفی علی ختم القرآن بالیل، بقی منه شیا حتی یصبح فیجمع اهله فیختمه معهم۔	حضرت ثابت البنانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ رات کو قرآن مجید ختم کرنا شروع کرتے تو کچھ حصہ صبح تلاوت کرنے کے لئے چھوڑ دیتے جب صبح ہوتی تو ان کے اہل و

(سنن دارمی، ۲: ۳۳۶)

عیال اکھٹے ہو جاتے بس آپ ان کے ساتھ قرآن پاک کا ختم فرماتے۔

ایک اور روایت ہے کہ:

عن قراء القرآن و ختمه ثم دعا امن علی دعائه اربعة آلاف ملک۔

جو قرآن پاک ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں

(سنن دارمی، ۲: ۳۴۷)

جبکہ دعائے خیر سے مراد مرحوم کے درجات کی بلندی کے لئے دعائے خیر کرنا ہے۔ اب ان دونوں اصطلاحات میں کونسا پہلو شریعت کے خلاف ہے۔ جو نام چاہیں استعمال کریں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی نام تجویز نہیں کیا۔

۲۔ دوسرا طریقہ

ایصال ثواب کی ایک صورت یہ ہے کہ میت کے دفن کے ساتویں روز تک یا جمعرات کو صدقہ و خیرات اور ختم قرآن پاک کے ذریعہ ایصال ثواب کا اہتمام کیا جاتا ہے یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے اور امر مستحسن ہے کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں اور میت کی روح اپنے گھروں کا چکر لگاتی ہے کہ اس کے عزیز و اقارب اس کے لئے کس طرح ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایات میں ہے کہ میت ساتویں روز تک آزمائش میں مبتلا رہتی ہے۔ اس لئے دور تابعین میں بھی ساتویں روز تک میت کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب گردانا جاتا تھا۔

عن طاؤس قال ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعاً فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام۔

(شرح الصدور: ۵۷)

حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک مردے اپنی قبروں میں سات دن تک آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں سو وہ (ان دنوں میں) مردوں کی طرف سے کھانا کھلانے مستحب سمجھتے تھے

پس ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے کھانا کھلانے کا یہ عمل موجودہ دور کی پیداوار نہیں بلکہ دور تابعین میں بھی اس کا اہتمام ہوتا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوۃ المصابیح فرماتے ہیں:

ومستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تاہفت روز و تصدق از میت نفع میکند او را بے خلاف میاں اہل علم و واردشدہ است دراں حدیث صحیحہ خصوصاً و بعضے از علما گفتہ اند کہ نمی رسد بہ میت مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمداست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکند از وے یانہ

(اشعۃ اللمعات، ۱:۷۱۶)

اور مستحب ہے کہ میت کے اس دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ وخیرات کیا جائے کہ میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنا اسے فائدہ دیتا ہے اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس کے جواز میں خصوصاً احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا

ہے کہ میت کی روح شب جمعہ کو
اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ
اس کی طرف سے(اس کے گھر
والوں میں سے) کوئی صدقہ کرتا
ہے یا نہیں۔

۳۔ تیسرا طریقہ

جمہور مسلمانوں کے ہاں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ وہ اپنے والدین اور بزرگوں کی وفات کے ۴۰ ویں روز ان کے ایصال ثواب کے لئے خصوصی طور پر محافل اور صدقہ وخیرات کا اہتمام کرتے ہیں یہ جائز ہے اگرچہ یہ تعین شرعی نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ اسی دن ہی ایصال ثواب ہوسکتا ہے آگے پیچھے نہیں بلکہ اپنی سہولت کی خاطر کسی دن بھی صدقہ وخیرات کیا جائے اس کا ثواب متعلقہ شخص کو پہنچ جائے گا مگر دن کا یہ خاص تعین بھی باعث برکت ہے اور خالی از حکمت نہیں کیونکہ:

بزرگوں نے چالیس کا عدد چلہ کے لئے' اعتکاف کے لئے' محنت اور مجاہدوں کے لئے وضع کیا ہے۔ ہم لوگ تبلیغ کے لئے بھی چلے لگاتے ہیں۔ چالیس چالیس دن وقف کرتے ہیں۔ جب رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تبلیغی مشن پر روانہ کیا تو کیا چالیس دن کا تعین کیا تھا؟ کبھی نہیں---! لیکن ہم تین دن' سات دن' دس دن اور چلہ متعین کرتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ جائز ہے تو ایصال ثواب کے لئے چالیسواں دن متعین کرنا کیوں ناجائز ہو گیا؟ شریعت نے کسی شئے کے اوپر ممانعت وارد نہیں کی اور چالیس کا عدد اس لئے بہتر ہے کہ

۱- از روئے قرآن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ موسیٰ!

تو چالیس دن کوہ طور پر رہ۔ پھر میں تجھ سے ہمکلام ہو جاؤں گا۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے چالیس دن غار حراء میں اعتکاف کیا۔

۳۔ محدثین نے بھی چالیس کا عدد حدیث متواتر کے لئے مختص کیا جبکہ اربعین لکھنا تو محدثین کرام کا معمول رہا ہے۔

لہٰذا یہ اعداد کا تعین بھی من جانب اللہ ہو گیا۔ ان تعینات میں کوئی شئے از روئے شرع ناجائز نہیں۔ یہ تو اس کے مباح اور جائز ہونے کی صورت ہے۔

مذکورہ جائز طریقوں میں افراط کی صورت

اب تک یہ تفریط سے بچاؤ کا بیان تھا کہ جو جائز ہے خدارا اس کو ناجائز نہ کہو لیکن جائز سمجھنے والے اس جائز کام کو بلا وجہ کسی ناجائز رسوم کے ذریعے ناجائز بنا دیتے ہیں مثلاً جب ہم قل خوانی کرتے ہیں، چہلم کرتے ہیں اور جمعرات کے دن مرحومین کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں تو ان میں شریعت کی طرف سے اصلاً کوئی ممانعت نہیں۔ اگر جمعرات کو آپ نے ایصال ثواب کیا تو اس میں یہ حکمت ہے کہ

۱۔ اس دن رسول پاک ﷺ ہمیشہ مختلف مومنین کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی ذکر کی محفل ہر جمعرات کو کرتے۔

یعنی بزرگوں نے جو نظام ہمیں دیا ہے اس پر غور کریں تو کوئی نہ کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ اور حضور نبی اکرم ﷺ کا کوئی نہ کوئی عمل ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم میں سے کسی کو کئی امور کا علم نہ ہو۔

پس اگر ایصال ثواب کے لئے دن کا تعین کیا تو اس میں اصلاً کوئی پابندی

نہ تھی لیکن بعض حضرات نے اس جائز امر کو بڑھاتے بڑھاتے اضافہ کرتے کرتے اس کو وہ کچھ بنا دیا جو اصل روح کے بھی منافی ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ ایصال ثواب کو دکھاوے کی رسم بنا ڈالا مثلاً

۱۔ ایصال ثواب کے نام پر پرتکلف دعوتوں کا اہتمام شروع ہوا' قل خوانی پر بھی دعوتیں ہونے لگیں اور چہلم پر بھی دعوتیں ہوتی ہیں جبکہ اصل میں تو میت کے ایصال ثواب کے لئے جو کھانا پکایا جائے وہ فقراء اور مساکین کا حق ہے' اس کو پرتکلف دعوت میں بدلنا از روئے شریعت حرام ہے۔

۲۔ پھر ستم بالائے ستم کہ ہم مدرسوں کے طالب علموں کو کرایہ پر پکڑ کر لے آتے ہیں' پیسے دے کر قرآن پڑھاتے ہیں جبکہ پیسے کے عوض قرآن پڑھانا حرام ہے۔ اس سے ہم کس شئے کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچا رہے ہیں؟

۳۔ پھر یہ بھی رواج چل پڑا کہ ہم مدرسوں اور مکتبوں میں جاتے ہیں اور قرآن اکٹھے کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھے چالیس قرآن مل گئے' کوئی کہتا ہے مجھے تین سو قرآن مل گئے۔ ایصال ثواب کے ساتھ یہ کیا مذاق ہے۔ چاہے دو پارے پڑھیں' دس پارے پڑھ لیں لیکن خود پڑھیں۔ دوست احباب' عزیز' رشتہ دار پڑھیں' عقیدت مند پڑھیں اور اگر طالب علم بھی آئیں تو وہ بھی ذوق وشوق سے پڑھیں' کرایہ پر نہ پڑھیں۔ اسی طرح پڑھے ہوئے دس پارے' دس ختم قرآن سے بھی بہتر ہیں۔

آپ نے مسجد کے مولوی کو کرایہ پر قرآن پڑھنے کو کیوں منتخب کر لیا؟ قرآن آپ کی بھی کتاب ہے۔ آپ کو بھی پڑھنا چاہئے' آپ خود کیوں نہیں پڑھتے۔

۴۔ پھر ہم دعوت نامے جاری کرتے ہیں' کئی مقامات پر بیٹیوں' بیٹوں کو سوٹ

تک دیئے جانے لگے؟ ظالمو! کچھ خدا کا خوف کیا کرو کہ تم نے مرگ کو بھی شادی میں بدل ڈالا۔

۵۔ بعض علاقوں میں پیسے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ یوں ایصال ثواب کے اصل تصور کو مسخ کر دیا گیا۔

جائز چیز اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس میں اضافہ کر کے اس کو ناپاک رسموں میں بدل دیا جائے۔ ایصال ثواب کے لئے جب بھی ماہانہ ہفت روزہ' سہ روزہ' دس روزہ یا چالیس روزہ ختم ہو اور جس صورت میں بھی کریں شریعت اس کو منع نہیں کرتی لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ قرآن خوانی خود کریں' ذکر و فکر کریں' صدقہ و خیرات کریں' فقراء و مساکین کو کھلائیں' مستحقین کو کھلائیں۔ اس طرح یہ میت کی روح کیلئے باعث ثواب ہے اور اگر کچھ اور لوگوں نے بھی کھانا ہے تو جب اس پر قرآن پڑھ لیا جاتا ہے تو وہ کھانا اس تلاوت سے تبرکاً دوسروں پر بھی حلال ہو جاتا ہے۔

کھانے سامنے رکھ کر قرآن پڑھیں یا بغیر کھانے سامنے رکھے قرآن پڑھیں دونوں صورتوں میں جائز ہے کیونکہ خود قرآن کہتا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ اِنْ مُؤْمِنِيْنَ○ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ ۔

(الانعام' ۶: ۱۱۹-۱۱۸)

سو تم اس سے کھایا کرو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اگر تم اسکی آیتوں پر ایمان ہو○ اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اس سے نہیں کھاتے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے○

لیکن اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ ایصال ثواب اور صدقہ و خیرات کے لئے کھانا پکایا اور اس پر قرآن پڑھا اور حلال کر کے سارے بیٹھ کر خود کھا لیا۔

۶- اسی طرح ہم نے اپنے پیٹ کو پالنے کے لئے یہ بھی نظام وضع کر لیا کہ ایصال ثواب کے لئے جو کپڑے، پھل اور کھانا تیار کیا جاتا ہے سارا کچھ اٹھا کر مسجد کا امام لے جاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھانے اور قل خوانی کا بدل یہ ہے کہ سب کچھ امام صاحب کے پاس جائے حالانکہ امام مسجد ہونا اور خطیب ہونا ایصال ثواب اور صدقات کا حقدار ہونا نہیں ہے۔

حضرات ائمہ و خطباء مساجد کی توجہ کے لئے

وہ حضرات جو مساجد میں ائمہ و خطباء ہیں یہ بات بطور خاص ان کی توجہ کے لئے بیان کر رہا ہوں کہ اگر ہو سکے تو وہ صدقہ و خیرات اور ایصال ثواب کا کھانا کھانے سے گریز کیا کریں ورنہ اس سے آپ کے ایمان کے نور کی شعاع مدھم ہو گی۔ من میں اور دل میں اندھیرا ہو گا اور زبان کی تاثیر ختم ہو گی اور معاشرے کے اندر بے عزتی اور بے حرمتی ہو گی۔

علماء کو اس چیز نے بے عزت بنایا کہ لوگ جمعرات کے کھانے پکا کر اپنے امام صاحب کو دیتے ہیں۔ جنازہ پڑھانے کا معاوضہ مولوی صاحب کو دیتے ہیں۔ ایصال ثواب کے صدقات مولوی صاحب کو دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہمارے صدقات سے پلتا ہے وہ کسی لحاظ سے عزت کا حقدار نہیں اس لئے ضروری ہے کہ جنازے پڑھانا اور قرآن پڑھنا امام مسجد کا پیشہ نہ ہو بلکہ وہ فی سبیل اللہ پڑھایا کریں۔ اگر وہ قل خوانی کریں تو وہ یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کا کلام قرآن مجید پڑھ رہے ہیں، کوئی کاروبار نہیں کر رہے۔ ان کا معاوضہ وصول نہ کیا کریں اور اگر عوام کوئی ایسی شئے دیں تو یہ علماء کا فرض ہے کہ انکار کر دیں اور دینے والوں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں اور مستحقین کو دیں۔ اگر مسجد کے امام صاحب غریب اور مستحق ہیں تو کسی بہتر صورت میں ان کی

مدد کریں۔ ایسا نظام نہ بنائیں کہ وہ تمہارے معاشرے کا منگتا نظر آئے۔

۲۔ بزرگان دین کے ایصال ثواب کے لئے مروجہ طریقے

ایصال ثواب کی مروجہ طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ سالانہ ختم دلاتے ہیں۔ اپنے مشائخ، اولیاء، بزرگوں اور والدین کا دن متعین کر کے مناتے ہیں۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایسا کرنا از روئے شرع جائز ہے اور قرآن و حدیث میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ ﷺ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے، یہی معمول آپ ﷺ کے جاںنثار متبعین صحابہؓ کا بھی تھا۔ مصنف عبدالرزاق میں اس حوالے سے ایک روایت درج ہے۔

عن محمد بن ابراهيم التيمى قال: كان النبى ﷺ يأتى قبور الشهداء عندر أس الحول فيقول : السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار قال: و كان ابوبكر و عمر و عثمان يفعلو ن ذلک.

(مصنف عبدالرزاق، ۳: ح:۶۷۱۶)

حضرت محمد بن ابراہیم التیمی نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے پھر فرماتے تم پر سلامتی ہو اس چیز کے بدلے جس پر تم نے صبر کیا پس تمہارے لئے آخرت میں اچھا ٹھکانہ ہے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا

عرس کے موقع پر اجتماع کا منعقد کرنا، لوگوں کا ایسی تقریب سعید میں جانا، علماء و خطباء کی تقریریں یہ سب کچھ سنت رسول ﷺ و سنت صحابہ ہے احادیث مبارکہ

سے ہمیں یہی تعلیم ملتی ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن عقبه بن عامر ان النبی ﷺ خرج یوماً فصلی علی احد صلاته علی المیت ثم انصرف الی المنبر فقال انی فرط لکم و انا شهید علیکم و انی والله لانظر الی حوضی الان و انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض اومفاتیح الارض و انی والله ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیها

(صحیح البخاری، ۱: ۱۷۹)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے تو احد والوں کے لئے نماز پڑھی جس طرح (عام) مُردوں پر پڑھی جاتی ہے پھر منبر کی طرف آئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ "میں تمہارا پیش رو ہوں میں تم پر گواہ ہوں خدا کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں: بخدا مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے تمہارے حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلے کا اندیشہ ہے"۔

گزشتہ روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر سال کے شروع کے دنوں میں آپ ﷺ شہداء کی قبروں پر دعا کے لئے تشریف لے جاتے تھے جبکہ اس روایت سے مزید اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ آپ ﷺ وہاں مجلس کا اہتمام فرماتے اور صحابہ کرام کے اجتماع سے خطاب بھی فرماتے۔ کیونکہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ منبر کی طرف آئے اور خطبہ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کے صحابہ کا اجتماع ہوتا جبھی تو منبر اور خطبے کا اہتمام ہوتا۔ ورنہ اگر 10,8 افراد ہوں تو ان سے بات چیت کیلئے عام طور پر منبر پر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ان روایات کو لانے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ دین کے اندر جو امور خیر ہیں ان کو جاری رہنے دیا جائے ۔ راہ اعتدال کو اپنایا جائے۔ ایسے امور، جن کا اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے کو شرک و بدعت کہہ کر امت مرحومہ کے اندر مزید افتراق و انتشار کی فضاء کو پیدا نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ تو فرما رہے ہیں کہ اب میری امت شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی جبکہ اس کے برعکس بعض لوگ امت کی اکثریت پر شرک و بدعت کے فتوے لگائے تو اس سے بڑھ کر بد بختی کیا ہوگی۔ دین تو سراسر خیر کا نام ہے۔ دین کے نام لیواؤں کو ترش روی، بے جا سختی اور تعصّبانہ انداز ہرگز زیب نہیں دیتا۔ عرس کی موجودہ شکل بھی کچھ اس طرح ہے کہ لوگ اپنے مشائخ، اولیاء اللہ اور بزرگوں کے ایصال ثواب کے لئے سالانہ اجتماع کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں قرآن خوانی، نعت خوانی اور علماء کی تقریریں ہوتی ہیں۔ اس اہتمام سے جہاں ان بزرگوں کے درجات میں بلندی کی امید ہوتی ہے وہاں حاضرین بھی انوار الٰہی کے فیوضات و برکات سے مستفیض ہوتے ہیں اللہ پاک اپنے نیک بندوں کے توسل سے ان کے متعلقین، مریدین کے گناہوں کو بھی معاف فرماتا ہے۔ یوں یہ اہتمام باعث خیر و برکت بن جاتا ہے۔

عرس کے دن کو اصطلاحاً ''عرس'' قرار دینے کی بنیاد جامع الترمذی کی روایت ہے جو حضرت ابو ہریرۃ سے مروی ہے جس میں میت کے قبر میں داخلے کے بعد نکیرین کے سوال و جواب کا تفصیلی ذکر ہے۔ اگر وہ مومن متقی ہے اور جملہ جوابات دے کر اپنے محبوب آقا ﷺ کو بھی پہچان لیتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے۔

نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله الیه	دلہن کی طرح سو جا جس کو گھر والوں میں سے محبوب ترین شخص ہی اٹھاتا ہے۔

(جامع الترمذی، ۱: ۱۲۷)

علاوہ ازیں اس دن صدقہ وخیرات اور ختم قرآن کا اہتمام کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جس دن اللہ کے ولی کا وصال ہوتا ہے وہ دن اس کی روحانی شادی کا دن ہوتا ہے۔ ہماری شادیاں دنیوی ہوتی ہیں، جسم کی شادیاں ہوتی ہیں اور اللہ کے ولی کی شادی اس کی روح کی شادی ہوتی ہے۔ جب ان کی روح ان کے قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے اور پردے اٹھائے جاتے ہیں اور وہ اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کرتے ہیں تو اس دن ان کی شادی ہوتی ہے۔اس لئے جب وہ دن آتا ہے جس دن رب کی ملاقات نصیب ہوئی تھی اس دن ان کی روح پر خوشی کی ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔ سال بھر میں جو کوئی ان کے لئے قرآن خوانی اور صدقہ و خیرات کا ثواب پہنچاتا رہے، حدیث پاک کی رو سے ان کی روحیں خوش ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ثواب ان کو پہنچتا رہتا ہے، تحائف پہنچتے رہتے ہیں، ملائکہ پیش کرتے ہیں لیکن انہیں اس دن کتنی خوشی ہوتی ہے جب ان کی روحانی شادی کا دن پلٹ کر آتا ہے۔ جب اس دن تحائف آتے ہیں ان کی روح کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔لہٰذا ان کی وفات کے دن اگر قرآن خوانی کریں، صدقہ وخیرات کریں، ایصال ثواب کریں تو ان کی روحیں خوش ہوتی ہیں کہ انہوں نے میری خوشی میں اپنے آپ کو شریک کیا۔ عام لوگوں کے لئے وصال موت ہے جبکہ اللہ کے ولی کے لئے وصال ابدی زندگی ہے۔

؎ کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے
قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

ان کا وصال ان کے وطن کو جانا ہوتا ہے' ان کا وصال ان کے محبوب سے ملاقات ہوتی ہے۔ وصال وصل سے ہے اور وصل ملاقات کو کہتے ہیں۔ ہماری نظر میں وہ موت ہے۔ ان کی نظر میں وہ حقیقی زندگی ہے۔

عرس کے اہتمام میں افراط و تفریط

ا۔ تقریب سعید کو میلہ نہ بنائیں

عرس بھی چونکہ ایصال ثواب ہی کی ایک صورت ہے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں صدیوں سے حضور ﷺ کی امت کے اولیاء' صلحاء' بزرگان دین عرس مناتے چلے آئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کی وساطت سے دین ہم تک پہنچا وہ خود عرس کرتے تھے اور عرس مناتے تھے۔ یہ کتابوں میں موجود ہے۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اسکے سب سے بڑے مرتکب وہ ولی ہوتے (معاذ اللہ) لہٰذا یہ امر مشروع ہے' جائز ہے لیکن ہم نے اس میں کیا کیا زیادتی کی؟ اس پر بھی غور کریں۔ عرس میں چاہیئے تو یہ تھا کہ صرف قرآن خوانی ہوتی' ذکر و فکر ہوتا' صدقات و خیرات ہوتی' حاضرین میں لنگر تقسیم کیا جاتا۔ برکت کے طور پر وعظ و نصیحت کی مجلسیں ہوتیں' نعت خوانی ہوتی اور خطاب ہوتے۔ عارفانہ کلام پڑھے جاتے۔ اس بزرگ کے فضائل بیان کئے جاتے' اس کا طریقہ تبلیغ اور طریقہ عبادت بیان کیا جاتا' لوگوں کے احوال کو بدلا جاتا۔ یہی اہتمام عرس کا مقصد ہے۔

لیکن ہمارے معاشرے میں آجکل عرس اس طریقے سے منایا جاتا ہے کہ میلوں سے بھنگڑوں کی صورت میں جلوس بنا کر آنا' بھنگڑوں کی صورت میں چادروں

کو اٹھا کر لانا، ناچ گانوں کے ساتھ آنا اور چادروں پر پیسوں کی بارش کرتے چلے آنا، ڈھول ڈھمکے کے ساتھ آنا اور گویوں کو بلا کر سماع کے نام کی محفلیں کرنا اور ان کو قوالی کا نام دینا جو کہ خود قوالی کی توہین ہے۔ وہ لوگ جو باوضو نہیں ہوتے، نابالغ ہیں، بھنگی ہیں، افیمی ہیں، نشئی ہیں، عاقل اور بالغ نہیں ہوتے اور صاحب نسبت نہیں ہوتے ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں کہ ایسی مجلسوں کا منعقد کرنا حرام ہے اور ایسی مجلسوں میں شریک ہونا بھی حرام ہے۔ عرس کی محفلیں منعقد کریں تا کہ آپ کی روحانیت دوبالا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو مذاق بنا ڈالیں، اس کو میلہ بنا ڈالیں۔

۲۔ صرف اسی روز صدقہ و خیرات دینا فرض نہ سمجھیں

عرس کے دن صدقہ و خیرات اور تلاوت قرآن کے تحائف پیش کرنا بزرگوں کی خوشی میں زیادتی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ عمل باعث برکت تو ہے لیکن اس میں زیادتی عقیدتاً نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی ہم میں سے یہ سمجھ لے کہ ہم اس مقررہ دن کو ہی صدقہ و خیرات اور ختم قرآن کریں گے تو ثواب پہنچے گا۔ اگر اس سے ایک دن آگے پیچھے ہو گیا تو ثواب نہیں پہنچے گا۔ یہ اعتقاد گمراہی ہے۔ جس دن صدقہ و خیرات کا ثواب پہنچانا چاہیں پہنچ جاتا ہے لیکن اس دن کو مقرر کر کے ختم دینا یہ محض حکمت کے پیش نظر ہے اور خصوصی برکت کا باعث ہے۔ از روئے شرع فرض اور واجب نہیں۔ یہ کوئی نماز کی طرح تعین نہیں کہ ظہر کا وقت گزر گیا، عصر کا وقت آ گیا تو قضا ہو گئی اور عصر کا وقت گزر گیا تو مغرب میں عصر قضا ہو گئی۔ یہ صرف فرض نمازوں کے بارے میں ہے کہ:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًاo (النساء، ۴: ۱۰۳)	بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ وقت مقررہ سے آگے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھ سکتے' ایصال ثواب کے لئے وقت کا تعین اس طرح کا نہیں ہوتا کہ جو دن مقرر ہو اس سے آگے پیچھے ختم نہ دلا سکیں بلکہ وہ تعین محض حصول برکت اور معمول میں باقاعدگی کرنے کی حکمت کے پیش نظر ہوتا ہے ورنہ آگے پیچھے جب کبھی ختم دلائیں گے ثواب پہنچتا ہے۔

۳۔ حضور غوث پاکؓ کے ایصال ثواب کا جائز طریقہ

حضور غوث الاعظمؓ کو ایصال ثواب کے لئے اسلامی ممالک اور دنیا بھر میں چاند کی گیارہ تاریخ کو ایصال ثواب کے لئے ختم کا نظام مروج ہے جسے اصطلاح میں تاریخ کی نسبت سے گیارہویں شریف کہا جاتا ہے۔ اس کو ناجائز قرار دینے کا شریعت میں کوئی سبب نہیں بلکہ اسی اصول کے تحت یہ بھی جائز' باعث برکت اور روحانی منفعتوں کا باعث ہے اور اس مرد ولی کی روح پاک کے ساتھ خصوصی نسبت کو مستحکم کرنے کا سبب ہے۔ جب کوئی صدقہ و خیرات کے تحائف بھیجتا ہے تو اس بزرگ کے ہاتھ عالم ارواح اور عالم برزخ میں اس کی بہتری کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے لواحقین اور متعلقین کا تحفہ وصول کر کے دعا کا تحفہ واپس بھیجتے ہیں۔

اس جائز عمل میں افراط کی صورتیں

گیارہویں شریف میں افراط کی مروجہ صورتیں یہ ہوسکتی ہیں۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ جب کوئی گیارہویں شریف کا ختم نہیں دلواتا تو آپ

اس کو گناہگار، بے ایمان اور کافر قرار دینے لگتے ہیں کیونکہ ختم اور ایصال ثواب کرنا یہ مستحسنات، باعث برکات اور اچھائی کے کاموں میں سے ہیں لیکن فرض اور واجب نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح آپ اگر دو نفل پڑھنے کا معمول بنائیں، چاہیں تو عمر بھر پڑھتے رہیں، کبھی اس کا ناغہ نہ کریں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ عادت پسند ہے لیکن یہ پسند نہیں کہ عقیدتاً اس پسند کو فرض اور واجب کے مقام پر رکھ دیں۔ عملاً ہمیشہ اس طریقے پر قائم رہنا یہ حضور ﷺ کو پسند ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص جو عمل کرے اگر اس پر ہمیشگی کے ساتھ قائم رہے تو اللہ کو بہت محبوب ہو جاتا ہے لیکن اعتقاداً اس کو فرض اور واجب کا ہم پلہ نہ کیا جائے۔

۲۔ جہالتوں کے سبب سے دوسری خرابی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ شاید اگر ہم نے گیارہویں شریف کا ختم نہ دلایا تو ہماری بھینس مر جائے گی یا گائے مر جائے گی، ہماری چوری ہو جائے گی، نقصان ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی نقصان ہو جائے تو اسے منسوب کرتے ہیں کہ ختم رہ گیا ہے اس لئے نقصان ہو گیا۔ خدا کا خوف کرو۔ اللہ کے ولی تو پیکر رحمت ہوتے ہیں، کوئی ختم دلوائے تو بھی دعا کرتے ہیں، نہ دلائے تب بھی دعا کرتے ہیں۔ کوئی بھول جائے تو غیض وغضب سے بھڑک نہیں اٹھتے اور نفلی عبادتیں صدقات اور خیرات اگر کوئی کسی سبب سے نہ دلا سکے تو اللہ کی طرف سے اس کو نقصان نہیں ہوتا۔ یہ اعتقاد کہ نہ دلایا تو نقصان ہو گا یہ خلاف شریعت ہے۔

۳۔ پھر تیسری خرابی اس کے اندر ہم یہ پیدا کر رہے ہیں کہ نہ نماز سے قریب گئے نہ روزے کے۔ فرائض بھی نظر انداز کر دیئے، سنتیں بھی نظر انداز کر دیں۔ جی بھر کر حرام کھایا، رشوتیں کھائیں، غبن کیا، غرضیکہ ہر برائی کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ مہینے کے بعد اگر گیارہویں شریف کا ختم دلوا دیا، اگر سال کے بعد میلاد پاک

کی دیگیں پکا دیں تو شاید سارا کیا دھرا معاف ہو جائے گا۔ یہ تصور دین کا چہرہ مسخ کرنے کے مترادف ہے۔فرائض کی ادائیگی اپنی جگہ فرض ہے اور نفلی عبادتوں کا حکم اپنی جگہ، لیکن یہ فرض کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ جن کے ایصال ثواب کے لئے ہم ختم دلاتے ہیں وہ تو فرماتے ہیں کہ بے نمازی شخص کے دفن ہونے والی جگہ اس سے چالیس سال پناہ مانگتی ہے۔ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والے کو مطلقاً فاسق و فاجر اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ مخالفین شریعت پر بزرگ لعنت بھیجتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان بزرگوں سے یہ ہماری کیسی نسبتیں ہیں کہ ان کے راستوں کو چھوڑ دیں اور کھوکھلی محبت کا دعویٰ کیا جائے۔

ختم دلوائیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روحانی نسبت اور روحانی برکت کا سبب ہوگا، ان کی روحانی خوشنودی کا سبب ہوگا، روحانی قرب کا سبب ہوگا لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جائے، ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں، ان کی زندگی اپنائیں۔ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا اپنا عالم تو یہ ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر ادا کرتے رہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ:

۱۔ نماز کے قریب نہیں جاتے

۲۔ روزے کے قریب نہیں جاتے

۳۔ حرام کرتے ہیں اور خود کو غوث پاکؓ کا دیوانہ بھی قرار دیتے ہیں

۴۔ سبز سبز اور لمبی لمبی قمیضیں پہن کر خود کو ہر شرعی پابندی سے مستثنی قرار دے لیتے ہیں

۵۔ ہاتھوں میں لوہے کے کڑے پہن لیتے ہیں، جو شریعت میں حرام ہے

۶۔ دھمالیں ڈالتے ہیں، ناچتے ہیں، بھنگڑا ڈالتے ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ یہ

غوث پاکؓ کا ملنگ ہے' حضور داتا صاحبؒ کا ملنگ ہے اور یہ فلاں بزرگ کا ملنگ ہے۔ ایسے ملنگوں پر جو شریعت کا مذاق اڑانے والے ہیں' حضرت داتا صاحبؒ اور حضور غوث پاکؓ اور جو بزرگ ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔

جو شخص شریعت مصطفیٰ ﷺ کا مخالف ہو وہ اگر ہواؤں میں اڑتا ہوا' پانی پر چلتا ہوا اور آگ میں کودتا ہوا نظر آئے اور اسے آگ جلا نہ سکے تو وہ لعنتی ہے' وہ حرام کار ہے' وہ جادوگر ہے۔ وہ نہ ولی ہو سکتا ہے نہ مرد برگزیدہ چہ جائیکہ وہ دعویٰ کرے کہ میں غوث پاکؓ سے نسبت رکھتا ہوں۔ اس کی نسبت شیطان سے تو ہو سکتی ہے لیکن اللہ والوں سے اسکی نسبت نہیں ہو سکتی۔

نیکی پھیلانے میں اعتدال کا راستہ

ہم ایصال ثواب اور ختم کی مجالس کے اہتمام میں دین کی حقیقی روح اور حکمت کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ ہم صبح و شام مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر آواز بلند ختم پڑھنے کو رواج دے رہے ہیں۔ اگر پڑوس میں کوئی شخص اپنے آرام میں خلل' تعلیم میں خلل یا بیماری کی وجہ سے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے کہ مہربانی کر کے ذرا آواز کم کر لیں تو اسی وقت دنگا فساد شروع ہو جاتا ہے۔ فتویٰ لگایا جاتا ہے کہ منع کرنے والا فلاں ہو گیا۔ یہ ہو گیا وہ گیا۔ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر اس لئے تو نہیں ہوتے کہ اردگرد کے مسلمانوں کے آرام کو تباہ و برباد کیا جائے۔ ہمارے اس رویے سے اگر کوئی شخص ایصال ثواب کرنے کے خلاف ہو گا تو ہم نفرت پیدا کرنے کا سبب ہوں گے کیونکہ دین اعتدال کا سبق دیتا ہے۔ نیک کام کریں لیکن اس ڈھب پر کریں کہ دوسروں کو بھی اس سے محبت ہو۔ اس طرح کثرت سے نہ کریں اور اتنا شور مچا کر نہ کریں کہ کوئی تم سے بھی اور تمہارے دین سے بھی متنفر ہو جائے۔ رسول

پاک ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیسؓ کو جب یمن کی طرف تبلیغ کرنے کے لئے روانہ کیا تو فرمایا **یسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا** (صحیح البخاری، ۲: ۹۰۴) میرے دونوں صحابیو! میرے دین کو میری امت کے سامنے یوں پیش کرنا کہ انہیں آسان نظر آئے، انہیں مشکل کر کے میرا دین ان کے سامنے پیش نہ کرنا اور یوں پیش کرنا کہ وہ خوشخبری سمجھ کے کھچے کھچے چلے آئیں۔ ان کو میرے دین سے متنفر نہ کر دینا۔

ایک شخص نماز عشاء میں طویل قرأت کرتا تھا۔ بعض بوڑھے صحابہؓ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں شکایت کی۔ حضور ﷺ نے اسے طویل قرأت سے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا۔

فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف و الکبیر و ذا الحاجة	تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے اسے چاہئے کہ تخفیف کرے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔
(صحیح البخاری، ۱: ۹۸)	

ان کو نماز سے متنفر نہ کرو۔ اتنی قرأت کرو کہ ہر کوئی آسانی سے سن سکے۔

ہم لوگوں نے یہ طریقہ اپنا لیا ہے کہ کثرت سے روزانہ ختم پڑھنے کا عمل کرتے ہیں تاکہ لوگ سن سن کر تنگ آ جائیں اور جب وہ تنگ آ کر بات کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ختم کے خلاف بات کرتا ہے، یہ درود و سلام کے خلاف بات کرتا ہے، یہ شریعت کے خلاف بات کرتا ہے۔ کاش! کبھی ہم نے خود بھی سوچ لیا ہوتا کہ ہمیں نیکی کو کس طرح پھیلانا چاہئے۔ درود و سلام کو اس طرح پیش کرو کہ تمام مسلمانوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے درود و سلام سے محبت ہو، نفرت نہ ہو، آداب ملحوظ رکھنے چاہئے تاکہ لوگوں کو اکتاہٹ نہ ہو، ہر کام اپنے خاص ڈھنگ پر اور خاص وقت پر اچھا

لگتا ہے۔ جس کام کو جتنا عام کرتے چلے جائیں گے، گلی کوچوں میں عام کریں گے، ہر کہیں عام کریں گے تو اس کا تقدس ختم ہوتا چلا جائے گا۔

یہ افراط اور تفریط کے مختلف پہلو تھے جو ہم نے مختصراً بیان کر دیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر عمل میں اپنا محاسبہ کریں۔ اپنے احوال کا جائزہ لیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جائز کے نام پر ناجائز کام کر رہے ہوں اور کہیں ایسا تو نہیں جسے اللہ کی شریعت نے جائز کہا ہو اس کو ناجائز اور حرام کہہ کر گنہگار ہو رہے ہوں۔ جس طرح جائز کو ناجائز کہنا منع ہے اسی طرح ناجائز کو جائز میں شامل کرنا بھی ناجائز ہے۔

باب پنجم

گزشتہ صفحات میں قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسئلہ ایصال ثواب اور اس کی شرعی حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس ضمن میں ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ نیکی کے پھیلانے میں کس طرح افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اپنایا جائے؟ مسئلہ ایصال ثواب آج تک جمہور مسلمانوں کے ہاں متفقہ مسئلہ رہا ہے اور جو لوگ اس کے انکاری ہیں وہ دین کی حقیقی روح سے نابلد ہیں۔

صحیح احادیث مبارکہ کی رو سے میت کو زندوں کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔ جمہور مسلمانوں کے ہاں یہی درست عقیدہ ہے اور جو انکاری ہیں دراصل وہ لوگ بدعتی ہیں۔

علامہ ابن قیم الجوزی لکھتے ہیں کہ جو لوگ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں وہ بدعتی ہیں۔

و ذهب بعض اهل البدع من اهل الكلام انه لا يصل الى الميت شئى البتة لا دعا ولا غيره	بعض متکلم بدعتی کہتے ہیں کہ مردے کو نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ کسی اور عمل کا۔

(الروح: ۱۶۰)

عام طور پر اس مسئلے کے حوالے سے معترضین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے قل، ساتواں، چالیسواں اور عرس وغیرہ کے لئے دن کا تعین کرنا اور اس عمل صالح کو کسی کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ وہ دلیل یہ دیتے

ہیں کہ عہد رسالتمآب ﷺ میں اس طرح تعین نہیں ہوتا تھا اور ہر وہ کام جو عہد رسالتمآب ﷺ میں نہ ہو اور نہ ہی عہد خلافت راشدہ وعہد صحابہ میں اس کا وجود ملتا ہو وہ بدعت ہے۔لہذا حرام اور ناجائز ہے۔کیا فی الواقع ایسا ہی ہے؟ اس حقیقت کو جاننے کے لئے یہاں اس مقام پر بدعت کے موضوع پر باقاعدہ علمی بحث کرنا مقصود نہیں اس کی تفصیل کے لئے ہمارا الگ کتابچہ ''تصور بدعت اور اس کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔ سردست ہم بدعت کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کے ذریعے یہ واضح کریں گے کہ بدعت کا مذکورہ تصور بالکل غلط ہے کیونکہ اس تصور کے تحت دین اسلام کے بے شمار حقائق اور اس کی متعدد تعلیمات بدعت کے زمرے میں آ کر دین سے خارج قرار پاتی ہیں۔

بدعت کا لغوی مفہوم

''بدعت'' عربی زبان کا لفظ ہے جو ''بدع'' سے مشتق ہے۔اس کا معنی ہے اخترعہ وصنعہ لا علی مثال (المنجد: ۲۹)یعنی ''نئی چیز ایجاد کرنا' نیا بنانا'' یا جس چیز کا پہلے وجود نہ ہو اسے عالم وجود میں لانا۔

جس طرح یہ کائنات نیست اور عدم تھی اور اس کو اللہ رب العزت نے مثال سابق کے بغیر خلعت وجود عطا کی تو لغوی اعتبار سے یہ بھی ''بدعت'' کہلائی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ رب العزت ہے جو اپنی شان تخلیق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وْالأَرْضِ وَاِذَا قَضیٰ أمْراً فَإنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنَ ○ (البقرہ،۲: ۱۱۷)	(وہ اللہ) آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (جس نے کچھ نہیں سے سب کچھ بنا دیا) اور جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو یہی فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے○

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ — وہی آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے۔

(الانعام ۶:۱۰۲)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ وہ ہستی جو کسی ایسی چیز کو وجود عطا کرے جو پہلے موجود نہ ہو ''بدیع'' کہلاتی ہے۔ بدعت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت قرآن حکیم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ سے اعلان کرایا جا رہا ہے۔

قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعاً مِّنَ الرُّسُلِ — آپ فرما دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول (تو) نہیں آیا۔

(الاحقاف ۴۶:۹)

مندرجہ بالا قرآنی شہادتوں کی بنا پر متحقق ہو گیا کہ کائنات ارضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ اللہ رب العزت کی زبان مبارک سے بدعت کہلاتا ہے جیسا کہ ''فتح المبین شرح اربعین نووی'' میں علامہ ابن حجر مکیؒ بدعت کے لغوی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

البدعة لغة ما کان مخترعاً علی غیر مثال سابق و منه ''بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ'' ای موجدهما علی غیر مثال سابق.

(بیان المولد والقیام: ۲۰)

بدعت لغت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو (جس طرح قرآن میں شان خداوندی کے متعلق فرمایا گیا) ''آسمانوں اور زمین پیدا کرنے والا'' یعنی زمین و آسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے (پہلی مرتبہ) پیدا فرمانے والا۔

بدعت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح شریعت میں بدعت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاء اور ائمہ حدیث نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

''ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنت رسول ﷺ میں اور اس کو ضروریات دین میں شمار کرتے ہوئے شامل دین کر لیا جائے''۔

(ضروریات دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔)

ایسی بدعت کو ''بدعت سیئہ'' اور ''بدعت ضلالہ'' کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے ارشاد ''**كل بدعة ضلالة**'' سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو ''**ضلالة**'' کہا جائے گا۔

کیا ہر نیا کام ناجائز ہے؟

ایسے نئے امور اپنی اصل کے لحاظ سے تو بدعت ہی شمار کئے جاتے ہیں جن کی اصل قرآن و سنت میں نہ ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر نیا کام از روئے شرع اس لئے ناجائز اور حرام ہو گا کہ وہ نیا ہے؟

اگر شرعی اصولوں کا معیار یہ قرار پا جائے تو دین اسلام اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات میں سے کم و بیش سّتر سے اسّی فیصد حصہ ناجائز ٹھہرتا ہے کیونکہ اجتہاد کی ساری صورتیں اور قیاس، استحسان، استنباط اور استدلال وغیرہ کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم و فنون مثلاً اصول تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، ان کی تدوین و تدریس، ان کو سمجھنے کے لئے صرف و نحو، معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی علوم جو تفہیم دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق

لابدی حیثیت رکھتے ہیں ان کا سیکھنا' سکھانا حرام قرار پائے گا کیونکہ ان کی اصل قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کے عمل سے ان کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ انہیں تو بعد میں ضروریات کے پیش نظر علماء و مجتہدین اسلام نے وضع فرمایا۔ یہ سارے کے سارے علوم وفنون اپنی ہیئت کے اعتبار سے نئے ہیں اور لغتاً یہ بھی بدعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرون اولیٰ کے برعکس بعض مروجہ امور

ہزاروں اور لاکھوں مسائل اور اعمال دینی اور مذہبی زندگی کے اندر ہماری زندگی میں ایسے ہیں جن کو اس شکل میں نہ رسول پاک ﷺ نے کیا تھا نہ صحابہ کرامؓ نے کیا تھا لیکن ہم کرتے ہیں مثلاً

۱۔ مسجدوں کا پکا بنانا

۲۔ مسجدوں کو مزین کرنا

۳۔ آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرنا

۴۔ مخصوص نصابوں پر کتابوں کا مرتب کرنا اور پڑھنا

۵۔ مخصوص مقامات پر وعظ تبلیغ اور تربیت کے لئے اجتماعات کا انعقاد کرنا

۶۔ جلسوں میں نعرہ لگانا خواہ خالی نعرہ توحید ہی کیوں نہ ہو

۷۔ خاص طرز کا لباس پہننا

۸۔ قرآن مجید پر غلاف چڑھانا

۹۔ قرآن مجید پر زیر وزبر لگانا

۱۰۔ مختلف نمازوں کے بعد باہم مصافحہ کرنا

۱۱۔ صرف' نحو' منطق اور فلسفہ پڑھنا اور پڑھانا

۱۲۔ درس نظامی قائم کرنا

۱۳۔ مدرسوں کا صد سالہ جشن منانا

۱۴۔ منبروں پر کفار و مشرکین کو بیٹھا کر غیرت دینی کی دھجیاں اڑانا

۱۵۔ سالانہ ختم بخاری کے نام پر اجتماعات کا انعقاد کرنا

۱۶۔ جماعتیں اور تنظیمیں بنانا

۱۷۔ میلاد النبی اور سیرت النبی ﷺ کے نام پر جلسے کرنا

۱۸۔ ایک مخصوص مقام پر مقررہ تواریخ پر سالانہ عالمی اجتماعات کرنا

۱۹۔ حسن قرات اور حسن نعت کے مقابلے منعقد کرانا اور اول دوئم سوئم آنے والوں میں یادگاری شیلڈیں تقسیم کرنا

۲۰۔ یوم صدیق، یوم عمر، یوم عثمان اور یوم علی رضی اللہ عنہم منانا

۲۱۔ محافل میلاد کو شرک اور بدعت قرار دے کر خود مختلف عنوانات پر ولادت مصطفے ﷺ کانفرنسوں کا اہتمام کرنا

۲۲۔ رمضان المبارک میں محافل شبینہ منعقد کرنا

۲۳۔ اجتماعی افطار پارٹی کا اہتمام کرنا

۲۴۔ عید ملن پارٹی کا اہتمام کرنا

۲۵۔ اپنے دینی راہنماؤں کے لئے جلوس نکالنا

۲۶۔ اپنے ''شہید'' رہنماؤں کی تصویروں پر مبنی پلے کارڈ اٹھا کر اور بینرز لہرا کر احتجاجی مظاہرے کرنا

۲۷۔ اجہاد کانفرنس اور جہادی مظاہروں کا اہتمام کرنا

۲۸۔ سیمینار اور مذاکرات کی آڑ میں اپنے اکابرین کے عرس اور انکی برسیاں منانا

۲۹۔ نماز غائبانہ کے لئے اشتہار بازی سے اپنے مسلک کی تشہیر کرنا

۳۰۔ اجتماعی نکاحوں کی تقاریب منعقد کرنا

۳۱۔ یکجہتی کے اظہار کے لئے زنجیر بنانا

یہ سب وہ اعمال ہیں جو رسول پاک ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے اور صحابہ کرامؓ نے بھی ایسا نہیں کیا تھا جبکہ ہم کرتے ہیں۔

اگر یہ سب کچھ بدعت نہیں تو ایصال ثواب' جو ثابت شدہ مسئلہ ہے کیلئے اپنی انتظامی سہولت کی خاطر وقت کا تعین اور اس نیک عمل کو کسی طرف منسوب کرنا کس طرح بدعت ٹھہرا؟ جبکہ سنت نبوی ﷺ میں ٹھوس دلائل کے ساتھ اس کا ثبوت موجود ہے۔

نیک عمل کے لئے وقت کا تعین

کسی نیک عمل اور صدقہ وخیرات کے لئے انتظاماً کوئی ایک تاریخ مقرر کر لینا یہ بھی حضور ﷺ کی سنت ہے۔

اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدقہ و خیرات تو کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تاریخ کیوں مقرر کی جائے تو اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ تعین دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ تعین شرعی ۲۔ تعین ذاتی اور انتظامی

نماز پنجگانہ' حج' زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ یہ شریعت کی طرف سے مقررہ ایام اور مقررہ اوقات میں ہیں۔ ان ایام اور اوقات سے ہٹ کر اگر کوئی عمل کریں گے تو وہ قابل قبول نہ ہو گا لہٰذا یہ تعین شرعی ہو گا۔

دوسرا تعین ذاتی اور انتظامی ہے۔ یہ تعین ہم اپنی سہولت کے لئے عمل میں مداومت' استقلال اور مستقل مزاجی پیدا کرنے کے لئے کر لیتے ہیں لیکن یہ حکم شرعاً

نہیں ہوتا۔ تعین ذاتی عمل میں مداومت کی غرض سے کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔

حضور ﷺ ہر جمعرات کو قبرستان میں فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس طرح حضور ﷺ نے مختلف نوافل کے لئے مختلف شامیں اور دن مقرر فرمائے تاکہ عمل میں مداومت پیدا ہو۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

احب العمل الی اللہ ادومه وان قل	اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جو بلاناغہ کیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو؟
(مسند احمد بن حنبل، ۶: ۱۲۵)	

حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت طیبہ میں نفلی عبادات کے لئے بھی وقت کے تقرر کا تصور موجود ہے۔ اس حوالے سے ذیل میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ درود پاک کے لئے جمعة المبارک کی تخصیص

۱۔ حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ان من افضل ایاکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض و فیه النفخة و فیه الصعقة فاکثروا علی من الصلوة فیه فان صلوتکم معروضة علی	تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی روز ان کی روح قبض کی گئی، اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اسی روز بے ہوشی طاری ہوگی۔ پس اسی روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو۔ بے شک تمہارا یہ عمل مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔
(سنن ابی داؤد، ۱: ۱۵۷)	

۲- نفلی روزہ کے لئے پیر اور جمعرات کا تعین

۲- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

کان رسول الله ﷺ یتحری صوم الاثنین و الخمیس

(جامع الترمذی، ۱: ۹۳)

رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔

۳- سفر کے لئے دن کی تخصیص

۳- حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

ان النبی ﷺ خرج یوم الخمیس فی غزوة تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس

(صحیح البخاری، ۱: ۴۱۴)

حضور نبی اکرم ﷺ جمعرات کے دن غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن سفر پر نکلنا پسند فرماتے تھے۔

۴- نفلی عبادت کے لئے دن کا تعین

۴- عن ابن عمرؓ قال کان النبی ﷺ یأتی مسجد قباء کل سبت ما شیاً و راکباً فیصلی فیه رکعتین

(صحیح البخاری، ۱: ۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

۵- ایک اور روایت میں آیا ہے کہ

و کان عبداللہ بن عمر یفعلہ	اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا کرتے تھے۔
(ایضاً)	

اب نہ تو قرآن نے وہاں جا کر ہفتہ کے دن نفل پڑھنے کا حکم دیا تھا اور نہ حضور ﷺ کی طرف سے واضح طور پر اس کا حکم دیا گیا لیکن حضور ﷺ کی سنت مبارکہ سمجھ کر آپ نے اپنے اوپر اس نیک عمل کے لئے مسجد اور دن کی تخصیص کو برقرار رکھا۔

۶- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مخصوص کیا تھا جیسا کہ روایت ہے:

عن ابی وائل قال کان عبداللہ یذکر الناس فی کل خمیس	حضرت ابو وائلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعودؓ) ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ کرتے۔
(صحیح البخاری، ۱۶۱)	

نیک عمل کو کسی کے نام منسوب کرنا

کوئی نیک عمل کر کے کسی کی روح کو ایصال ثواب کرنا اور اس کے نام سے منسوب کرنا یہ از روئے شرع جائز، ثواب اور سنت ہے۔ نذر و نیاز، صدقہ و خیرات یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے سوا نذر و نیاز کا کوئی تصور نہیں، کسی کے لئے قربانی نہیں ہے، کسی کے لئے صدقہ و خیرات نہیں ہے۔ ہر عمل خالصتاً اللہ کے لئے ہوتا ہے مگر جس بزرگ، شیخ، دوست یا عزیز کے لئے ایصال ثواب کیا جائے اس کے نام سے منسوب کرنا از روئے شرع جائز اور درست ہے اور اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضورﷺ نے حضرت سعدؓ کو اپنی ماں کی طرف سے کنواں کھدوانے کو کہا اور فرمایا۔

ھذہ لام سعد یہ (کنواں) سعد کی ماں کا ہے۔

(سنن ابی داؤد، ۱: ۲۴۳)

حالانکہ کنواں اللہ کے لئے صدقہ تھا مگر ثواب ان کی والدہ کو پہنچانا مقصود تھا۔ اسی طرح نماز عبادت تو اللہ کی ہے لیکن جو حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے نماز کا کہا تھا کہ کوئی نفل پڑھ کر کہے **ھذہ لابی ھریرۃ** یہ نفل حضرت ابو ہریرۃؓ کے لئے ہیں (ایضاً: ۲۴۴) وہ ثواب کی نیت سے تھا۔

عبادت اللہ کے لئے ثواب بندے کے لئے

جب آپ کھانا پکا کر سیدنا غوث پاکؓ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں یا حضرت داتا گنج بخشؒ کی روح کو یا حضرت خواجہ اجمیرؒ کی روح کو یا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روح کو یا زہد الانبیاء بابا فریدؒ کی روح کو یا حضرت علاؤ الدین صابرؒ کی روح کو یا پھر اپنے شیخ طریقت اور والدین کی روحوں کو ایصال ثواب کرتے ہیں، تو جس جس کی روح کو ایصال ثواب کر رہے ہیں یہ اس کا یہ حق ہے کہ آپ اس کا نام لیں کیونکہ صدقہ و خیرات عبادتاً تو اللہ کے لئے ہی ہو گا مگر ثواباً اللہ کے بندے کے لئے ہو گا۔ عبادت اللہ کی ہوتی ہے مگر ثواب اللہ کے لئے نہیں بلکہ بندے کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ کے بندے کا نام ثواب کی نیت سے لیا جاتا ہے اور اللہ کا نام عبادت کی نیت سے۔

ایک مغالطے کا ازالہ

ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ صدقہ و خیرات اور نیک عمل کر کے بزرگ کا نام لے لیا جاتا ہے لہٰذا یہاں تو غیراللہ کا نام آ گیا۔ یہ کیسے درست عمل ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ ولیمہ کرتے ہیں تو اپنی اولاد کا نام لیتے ہیں، شادی کے بکرے لاتے ہیں تو اپنے بیٹوں کا نام لیتے ہیں، دعوت دیتے ہیں تو دوستوں کا نام لیتے ہیں حالانکہ ہر شئے اور جائیداد کا مالک تو اللہ ہے۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ مالک اللہ ہے تو پھر جائیداد اپنے نام کیوں کرواتے ہو؟ دراصل بات یہ ہے کہ اماناً ہر شئے آپ کی ہے اور حقیقتاً اللہ کی ہے۔ اس طرح صدقہ و خیرات عبادتاً تو اللہ پاک کے لئے ہے مگر ثواباً اللہ کے بندے کے لئے ہے۔ یہ نسبت اس طریقے سے کرنا شرعاً جائز ہے اور حضور ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہے۔

اسی طرح بعض احباب نے محض تیسرے دن ایصال ثواب کے اہتمام کو یا چالیسویں دن ہونے والے ایصال ثواب کو مطلقاً ناجائز سمجھ لیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے یہ عمل نہیں کیا تھا جبکہ گذشتہ صفحات میں کتب احادیث میں سے متعدد روایات میں اس بات کا ثبوت ہم نے پیش کر دیا کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے خاص خاص اعمال کے لئے دن اور تاریخ کا تعین فرمایا۔ بعض دنوں اور مہینوں کی فضیلت بیان فرمائی۔ اگر مطلقاً تعین ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ کبھی ایسا نہ کرتے۔ نہ ہفتہ کے دن مسجد قبا جانے کا معمول اپناتے، نہ پیر اور جمعرات کے روزے کی تلقین فرماتے، نہ وعظ و نصیحت کے لئے وقت مقرر فرماتے جبکہ آپ ﷺ نے ایسا فرمایا۔

اب اگر کوئی انتظامی سہولت کی خاطر دن اور تاریخ کا تعین کرے تو اس کی

بنیاد حضور ﷺ کے وہ ارشادات گرامی ہوں گے جن میں آپ ﷺ نے تعین شرعی کے علاوہ ذاتی سہولت کی خاطر وقت اور دن مقرر کیا۔ ویسے بھی ہمارے نزدیک فقط تیسرے دن قل اور پورے چالیسویں روز ختم کا معمول ضروری نہیں۔ آج کل لوگ اپنی اپنی سہولت کی خاطر ایصال ثواب کے لئے دوسرے دن ہی قل خوانی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح چالیسویں کا ختم چند دنوں تک کسی بھی دن رکھ لیتے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ اتنی بات کہہ دوں کہ یہ ناجائز کہنا بھی شریعت کی رو سے افراط ہے زیادتی ہے۔ شریعت میں ایصال ثواب کی یہ ساری صورتیں بلاقید جائز اور باعث برکت اور باعث ثواب ہیں اور یہ تصور کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے تیسرے دن ایصال ثواب کے لئے ایسے اہتمام کب کئے تھے غلط ہے کیونکہ جو از روئے شرع مباح ہو جس میں نہ قرآن کے اندر کوئی ممانعت ہو نہ حدیث کے اندر اور نہ کوئی پہلو خلاف شریعت ہو وہ اصلاً مباح قرار پاتا ہے اس کو اصلاً جائز کہتے ہیں۔ وہ پہلے زمانے میں کبھی ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہر صورت میں جائز ہے۔

اگر وہی کچھ کرنے کا نام دین ہے جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کیا ہو تو پھر قرآن اور حدیث کے سواء کسی اور شئے کو بیان کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ جو ہم دو دو گھنٹے لچھے دار تقریریں کرتے ہیں اور جماعتیں بناتے ہیں اور تنظیمیں بناتے ہیں خواہ مذہبی ہوں، تبلیغی ہوں یا سیاسی ہوں ان میں سے رسول پاک ﷺ کے زمانے میں کچھ بھی نہ تھا لیکن یہ سب کچھ **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** یعنی ایک جائز اور بابرکت کام کے لئے ہے اس لئے ہم ایسا کرتے ہیں کہ اصلاً ہر شئے جائز اور مباح ہے۔ اسی زمرے میں ایصال ثواب، بیسیوں طریقے سے اس کا جائز ہونا، مستحسن ہونا، رسول پاک ﷺ کی سنت ہونا اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہونا ثابت ہے۔

جب یہ کام اصلاً رسول پاک ﷺ کی سنت ہے تو خواہ تیسرے دن کریں یا چالیسویں دن کریں اس پر شریعت نے کوئی روک اور ممانعت وارد نہیں کی۔ جو نیک کام ہے جس وقت چاہیں کریں، شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ تیسرے دن سے پہلے کر لیں تب بھی آپ کی مرضی بعد میں کر لیں تب بھی درست لیکن تیسرے دن اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس دن چونکہ تعزیت کا اختتام ہو رہا ہے تو بزرگوں نے سمجھا کہ اس تعزیتی نشست کا اہتمام صدقہ و خیرات، ختم قرآن اور دعائے خیر پر ہو۔ اگر آپ چالیسویں دن کرنا چاہیں، اس سے پہلے کرنا چاہیں، بعد میں کرنا چاہیں، روزانہ کریں، ہر مہینہ کریں، ہر سال کریں کوئی پابندی نہیں۔ جب چاہیں صدقہ و خیرات کریں، ایصال ثواب کے لئے یہ جائز اور مشروع ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/متوفی	مطبع/سن اشاعت
۱۔	القرآن الکریم	منزل من اللہ	
۲۔	صحیح البخاری	امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ۲۵۶ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ
۳۔	الصحیح لمسلم	امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ ۲۶۱ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۷۵ھ
۴۔	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ۲۷۹ھ	فاروقی کتب خانہ ملتان، ۱۹۸۳ء
۵۔	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث السجستانیؒ ۲۷۵ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان
۶۔	سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائیؒ ۳۰۳ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۷۔	سنن ابی ماجہ	محمد بن یزید القزوینیؒ ۲۷۳ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۸۔	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۹۔	مسند ابی یعلی الموصلی	حافظ احمد بن علی بن المثنی التمیمیؒ، ۳۰۷ھ	دار الماعون للتراث، بیروت ۱۴۰۶ھ
۱۰۔	سنن الدارمی	امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمیؒ ۲۵۵ھ	نشر السنہ ملتان، ۱۳۸۶ھ
۱۱۔	سنن الدار قطنی	امام علی بن عمر الدار قطنیؒ	دار المحاسن، قاہرہ مصر ۱۳۸۶ھ
۱۲۔	مصنف بن ابی شیبہ	امام عبد اللہ بن ابی شیبہ العبسیؒ ۲۳۵ھ	ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۴۰۶ھ
۱۳۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، ۳۶۰ھ	احیاء التراث الاسلامی عراق
۱۴۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، ۳۶۰ھ	مکتبہ العارف ریاض ۱۴۰۷ھ
۱۵۔	السنن الکبریٰ	امام ابوبکر بن حسین بن علی بیہقیؒ ۴۵۸ھ	نشر السنہ ملتان، ۱۹۳۶ء
۱۶۔	شعب الایمان	امام ابوبکر بن حسین بن علی بیہقیؒ ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ
۱۷۔	الادب المفرد	امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ۲۵۶ھ	دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۸۔	الاذکار	محی الدین ابی ذکریا بن یحی شرف النوویؒ ۶۷۶ھ	مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۳۷۵ھ
۱۹۔	فردوس الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہر دار بن شرویہ الدیلمیؒ	دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ والی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزیؒ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۳۹۹ھ
۲۱۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ	منشی نولکشور لکھنؤ انڈیا، ۱۹۳۶ء
۲۲۔	تفسیر روح المعانی	السید محمد الآلوسیؒ ۲۵۶ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۳۔	کنز الایمان	امام احمد رضا خان بریلویؒ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

۲۴۔	البیان	سید احمد سعید کاظمیؒ	کاظمی پبلی کیشنز کچہری روڈ ملتان، ۱۹۸۷ء
۲۵۔	فیوض القرآن	سید حامد حسن بلگرامی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۳ء
۲۶۔	عرفان القرآن	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور
۲۷۔	شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطیؒ ۹۱۱ھ	دار الاحیاء الکتب العربیہ مصر
۲۸۔	الروح	امام شمس الدین ابی عبداللہ بن قیم الجوزیہؒ ۷۵۱ھ	دار الکتب بیروت، ۱۴۰۲ھ
۲۹۔	حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاویؒ ۱۲۳۱ھ	مصطفیٰ البابی مصر، ۱۳۵۶ء
۳۰۔	احیاء علوم الدین	محمد بن محمد غزالیؒ ۵۰۵ھ	دار المعرفہ بیروت
۳۱۔	بیان المولد والقیام	علامہ ابن حجر مکی	